فلسفۂ ہجرت

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ترجمہ: عزیز الدین خضری ☆

یہ مضمون پندرھویں صدی کے آغاز پر انگریزی میں تحریر کیا گیا تھا، مضمون کی اہمیت اور مضمون نگار کا پیغام واضح ہے۔ اب اسے اردو میں منتقل کر کے قارئین اردو کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ ادارہ

چند سال پیشتر امت مسلمہ نے چودھویں صدی کے اختتام اور پندرہویں صدی کی آمد کا جشن امت کی زندگی میں ایک اہم تاریخی موڑ کی حیثیت سے منایا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ معظمہ سے ترکِ سکونت کر کے مدینہ منورہ تشریف لانے کا تاریخ ساز اقدام ہجرت کہلاتا ہے۔ اسے فرار یا پس پائی سے تعبیر کرنا نہ صرف غیر حقیقت پسندانہ ہے، بلکہ تاریخی حقائق کے بھی منافی ہے۔ آئندہ صفحات میں تصور ہجرت کو اس کے صحیح تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہجرت کے دو اہم پہلو ہیں۔

ایک تاسیسی و تنظیمی ادارے کے طور پر

دوسرا تاریخ ساز واقعے کی حیثیت سے۔

ہجرت تنظیمی ادارے کی حیثیت سے ایک ایسی معاشرتی، تہذیبی، شعوری اور نظریاتی اہمیت کی حامل ہے جو امت کی اجتماعی زندگی پر گہرے اور دوررس نتائج مرتب کرتی ہے۔ دوسری طرف ایک تاریخ ساز واقعے کی حیثیت سے یہ اسلامی تقویم کا آغاز ہے۔ جو بنی نوع انسان کی تاریخ میں ایک درخشاں باب کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ عقل و دانش کے ایک نئے اور عالم گیر دور کی تمہید ہے۔ بنی نوع انسان کی تاریخ کے ہجرت سے قبل کے دور میں تہذیبی اور مذہبی ہر دو لحاظ سے لوگوں کی زندگی میں مقامی یا علاقائی رنگ آمیزی رہی ہے۔ ہجرت کے ساتھ ہی وہ آفاقی دور شروع ہوا جو بالآخر بین الاقوامیت کے تصور سے بھی ماورا

☆ صدر پاکستان اسلامک مشن سوسائٹی۔ کراچی

ثابت ہوگا۔ ہجرت اسلام کے مثبت اور بامقصد ارتقا کا پیش خیمہ بنی، جس نے مسلمانوں کو نئی عالم گیر خصوصیات کی حامل ایک ریاست اور تہذیب کے قیام کے قابل بنایا، جہاں کسی قسم کی تنگ نظری کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

یہی وجہ ہے کہ ہجرت کا شرف مسلمانوں کے لئے ہمیشہ باعث افتخار رہا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خود بھی ایک مہاجر ہونے پر فخر کیا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: لو لا الهجرة لكنت امرأ من الانصار (۱)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا۔

قرآن کریم تواتر سے ہجرت کی برکتیں بیان کرتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے ہجرت کو ہمیشہ حسن عمل کے لئے ترغیب اور نشان امتیاز تصور کیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ فلاں فلاں نے دو ہجرتیں کیں، یعنی ہجرت حبشہ اور ہجرتِ مدینہ۔ انہوں نے ان حضرات کو جنہوں نے دو ہجرتیں کی تھیں امتیازی لقب ''ذوہجرتین'' دے رکھا تھا۔ جبکہ روایات میں رسول اللہ ﷺ کی محبوب شریک حیات حضرت عائشہؓ کا قول بیان ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لو لا الهجرة لسكنت مكة فإنی لم أر السماء بمكان أقرب إلی الأرض، منها بمكة ولم يطمئن قلبی ببلد قط ما اطمأن بمكة ولم أر القمر بمكان أحسن منه بمكة (۲)

اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بالیقین مکہ ہی میں رہتی، کیونکہ (میں مکہ کو اپنے دل کی گہرائیوں سے اس قدر زیادہ چاہتی ہوں کہ) میں نے آسمانوں کو کسی سرزمین پر اتنے قریب نہیں دیکھا جتنا کہ مکے میں۔ میرا دل کسی اور جگہ اتنا مطمئن نہیں ہوا جتنا کہ مکہ میں۔ میں نے چاند کو اتنا حسین کہیں نہیں دیکھا جیسا کہ وہ مکے میں (مجھے نظر آیا کرتا تھا)۔

اس سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مکہ مکرمہ کے لئے شدید محبت کا اظہار ہوتا ہے، پھر بھی انہوں نے شرف ہجرت کی خاطر اس محبت کو قربان کر دیا۔

ایک اور صحابی عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی مکہ مکرمہ کے لئے اپنی محبت کو اس قطعے میں

ظاہر فرماتے ہیں:

یـــا حبـــذا مـــکۃ مـــن وادی

أرض بهـــا أهـــلـــی و عُـــوّادی

ارض بهـــا تـــرسـخ اوتـــادی

ارض بهـــا امشـــی بـــلا هـــادی

کس قدر پسندیدہ ہے وہ وادی، وہ جگہ جہاں میرے اہل وعیال اور دوست رہتے ہیں۔ ایسی جگہ جہاں میرے خیمے کی میخیں نہایت مضبوطی سے گڑ جاتی ہیں۔ وہ جگہ جہاں میں بغیر رہبر کے گھوم پھر سکتا ہوں۔

مکہ مکرمہ کے لئے اس گہری اور شدید محبت میں رسول اللہ ﷺ بھی شریک رہے ہیں۔ آپ نے اپنے محبوب شہر کو اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کی خاطر خیر باد کہا۔ رسول پاک ﷺ نے اس شہر سے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا۔

واللہ انی لاخرج منک وانی لاعلم انک احب بلادِ اللہ لی واکرمہ علی اللہ ولو لا اھلک اخرجونی منک ماخرجت (۳)

اے مکہ! تو مجھے اللہ کے شہروں میں عزیز ترین ہے۔ اگر مجھے تیرے لوگوں نے نکال نہ دیا ہوتا تو میں کبھی تجھے نہ چھوڑتا۔

یہ مثالیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اس کرب والم اور اذیت کو اجاگر کرتی ہیں جو مکہ مکرمہ کو چھوڑتے وقت انہوں نے محسوس کی۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ ہجرت کے دو پہلو ہیں:

روحانی اور جسمانی۔

روحانی ہجرت جسمانی ہجرت سے پہلے واقع ہوتی ہے۔ جسمانی ہجرت سے قبل یہ روحیں تھیں جو جاہلیت کے اطوار کو چھوڑ کر اسلام کی طرف ملتفت ہوئیں۔ اسی کو روحانی ہجرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس ہجرت نے مسلمانوں کو ایک ایسی جگہ عطا کر دی جہاں وہ اپنی اقدار و نظریات کو عملی جامہ پہنانے کے قابل ہو سکے۔

ایک سچے مومن کے لئے کوئی دائمی جائے سکونت نہیں ہوتی۔ اس کی حقیقی قیام گاہ وہ ہوتی ہے جہاں

اس کے عقائد محفوظ ہوں اور جہاں اس کے اعلیٰ تصورات واقدار روبہ عمل لائے جاسکیں۔ اسے صرف اپنے ایمان ونظریات ہی کی خاطر زندگی بسر کرنا چاہئے۔ اگر کوئی علاقہ اس کے نظریات کی تبلیغ کے لئے ناموزوں ہوتو یہ ایک مردمومن کی سرزمین نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہتا تو اسے اس سے اسے تمام تعلقات منقطع کر لینے چاہئیں۔ اس نکتے کی قرآن نہایت خوب صورتی سے حضرت نوح کا قصہ بیان کرتے ہوئے وضاحت کرتا ہے۔ جب انہوں نے اللہ کی ہدایت کے مطابق کشتی تیار کرلی اور طوفان کی تباہ کاری سے محفوظ ہوگئے تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کی:

اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَO (۳)

اے میرے مالک! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے ہے اور بیشک تیرا وعدہ (میرے خاندان کو بچانے کا) سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (۴)

اے نوح وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے اعمال اچھے نہیں ہیں۔

اس واقعے سے بہ خوبی واضح ہوتا ہے کہ عام انسانی رشتے خواہ وہ کسی بھی قسم کے ہوں، ایمان اور عمل صالح کے بغیر اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے، صرف ایمان اور اچھے اطوار ہی انسان کے لئے موجب اجروثواب ہوتے ہیں۔ قرآن صاف طور پر بیان کرتا ہے کہ ''یوم حشر تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے۔'' (۵)

ہم نے اس مضمون میں قدرے تفصیل کے ساتھ یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہجرت کے جذبے کو موجودہ دور میں کس طرح روبہ عمل لایا جاسکتا ہے۔ ہجرت کو ہر سال یکم محرم کو اصولوں کی پاس داری کے دن یا اسلام کے درخشاں دور کے آغاز کے طور پر منایا جانا چاہئے۔ تاہم اس یادگار کو منانا محض رسمی نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ اجتماعی شعور واحساس کے ساتھ ان اصولوں اور نظریات کی تجدید نو کے طور پر منایا جائے جو ہجرت کی اصل روح میں مضمر ہیں۔ اس تجدید وتوثیق میں اسلامی یک جہتی اور اخوت کا شعور شامل رہنا چاہئے۔ کیونکہ ان دونوں کا ایک دوسرے سے قریبی تعلق ہے۔ ان دونوں مقاصدِ متحرکہ کے ارتباط اور ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہونے کا اظہار رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے وقت ہی

واضح فرمادیا تھا۔

بیعتِ ثانیہ کے بعد جو کہ عقبہ کے مقام پر انصار کے ساتھ ہوئی تھی، ایک انصاری صحابی حضرت ابوالہیثم بن التیہانؓ نے کھڑے ہوکر عرض کیا۔

عن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، اعترض أبو الھشم بن التیھان حلیف بنی عبد الأشھل فقال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن بیننا وبین الرجال حبالًا و إنا قاطعوھا یعنی العھود فھل عسیت إن نحن فعلنا ذٰلک ثم أظھرک اللہ أن ترجع إلی قومک وتدعنا قال فتبسم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ثم قال: بل الدم الدم والھدم الھدم أنا منکم وأنتم منی أحارب من حاربتم وأسالم من سالمتم (۶)

اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم یہود کے ساتھ معاشرتی تعلقات رکھتے ہیں جو اب ہم منقطع کرلیں گے۔ اگر ایسا ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو غالب کردیتا ہے تو کیا آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے لوگوں میں (مکہ) لوٹ جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ اس پر مسکرائے اور فرمایا ''نہیں! بلکہ ہمارا خون و معاہدہ مشترک ہوگا۔ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے (یعنی میں تمہارے ساتھ ہوں) میں اُس سے لڑوں گا جس سے تم لڑو گے اور اس سے معاہدہ امن کروں گا جس سے تم کرو گے''۔

یہ ہے ہجرت کا حقیقی جذبۂ محرکہ اور پیغام۔ اگر حقیقی اور دائمی بھائی چارہ مقامی لوگوں اور مہاجرین میں قائم نہیں ہوتا تو یہ اصلی ہجرت نہیں ہے۔ یہ محض ایک نقل مکانی، پناہ گزینی، منتقلی، فرار یا اسے جو کچھ بھی کہا جائے ہجرت نہیں کہا جاسکتا۔

ہجرت کے معنی اور اہمیت

بلاشبہ ہجرت، رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا انتہائی اہم واقعہ ہے، یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ بھی اسے دورِ اسلامی کی طلوعِ صبح سے تعبیر کرنے پر متفق تھے۔ جب اسلام کے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ کے دور میں مخصوص اسلامی تقویم اختیار کرنے کا سوال اٹھا تو صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا یوم پیدائش اپنی جگہ پر اہم واقعہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کی تقویم کے آغاز کے لئے مقرر نہیں کیا

جانا چاہئے۔ انہوں نے اس خیال کو بھی مسترد کر دیا کہ غار حرا میں رسول اللہ ﷺ کو ملنے والی پہلی وحی کے دن سے اسلامی تقویم کی ابتدائی کی جائے۔

اس طرح یہ ایک بین ثبوت ہے کہ ہجرت ان دونوں اہم واقعات سے کہیں زیادہ اور بڑھ چڑھ کر اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا انسان کی تاریخ کی نظریاتی، معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی معاملات پر گہرا اثر ہے۔ ایک نبی کی آمد اور وحیٔ الٰہی کا بنی نوع انسان کے کسی بشر پر نزول انسان کی تاریخ میں کوئی عجوبہ نہیں ہے۔ اس حقیقت کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اعلان کرنے کا حکم دیا۔ قرآن کا ارشاد ہے:

قل ما کنتُ بدعا من الرسل (۷)

کہہ دیجئے کہ میں رسولوں میں کوئی نیا انوکھا نہیں ہوں۔

ایک حدیث کے بموجب اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ سے زیادہ رسول مختلف لوگوں میں بھیجے۔ تعداد بیان کئے بغیر قرآن کا ارشاد ہے:

وان من أمة إلا خلا فیھا نذیر ○ (۸)

کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ گزرا ہو۔

ایک نبی کی ولادت اور نزول وحی کے معاملے کا مشاہدہ تاریخ نے بے شمار مواقع پر کیا ہے۔ دین کا اپنی مکمل اور حتمی شکل میں قیام ہی انسان کی تاریخ کا بے نظیر واقعہ تھا جس کی خصوصیات ہمہ گیر، غیر مبدل اور مقصد تمام آنے والے زمانوں میں انسانیت کی بھلائی تھا۔ تاریخ میں یہ اہم واقعہ اپنی نوعیت کا پہلا اور آخری تھا۔ یہ ایک حقیقی معجزہ تھا۔ اور یہ معجزہ ہجرت کی بدولت واقع ہوا۔ اس نے مکی دور کی ستم رسانی، ظلم واستبداد، ناانصافی اور تاریکی کا خاتمہ کر کے مدنی دور کے امن وآشتی، انصاف اور مسرتوں کے در کھول دیئے۔

ہجرت کا اصل مقصود ومنشا، جدید دور کے عام فرد کا کیا کہنا، ہمارے تاریخ داں بھی کلی طور پر سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ خاص کر مغربی دانشوروں نے اسے نہایت سطحی انداز میں لیا ہے، اسے زندگی اور عزت بچانے کے لئے فرار سے تعبیر کیا ہے۔ بعض مسلم مصنفین کا رجحان بھی اس تاریخ ساز واقعے کو کوچ یا طویل مسافت کی اصطلاح استعمال کرنے کی طرف رہا ہے۔ اس کے باوجود ہجرت کی جزئیات پر اگر محض ایک طائرانہ نگاہ ہی ڈال لی جائے، تو اس مضحکہ خیز تصور کو دور کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کے موتیلے بھائی حضرت ابوسلمہ بن الاسدؓ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کے لئے اپنی

اہلیہ اور ایک ننھے بیٹے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مشرکین نے انہیں روک لیا۔ ان کی بیوی کے رشتہ دار یہ کہتے ہوئے کہ وہ اپنی بیٹی کو ریگستان میں سرگرداں پھرنے کی اجازت نہ دیں گے۔ (ان کی بیوی کو لے گئے)۔ ابوسلمہ کے اپنے رشتہ داروں نے ان کے شیر خوار بچے کو چھین لیا۔ بے چارے ابوسلمہؓ اپنے خاندان کو اس طرح چھوڑ کر مدینہ منورہ پہنچے۔ مصعب ابن عمیرؓ کو دارالاسلام جاتے ہوئے مکہ والوں نے قیدی بنالیا۔ چونکہ وہ مکے کے ایک مال دار تاجر تھے، انہوں نے اپنی ساری دولت دے کر اپنے آپ کو آزاد کروالیا۔ البتہ حضرت عمرؓ کی روانگی دلیرانہ تھی۔ آپؓ مشرکین کے جمگھٹے میں گئے اور اعلان کیا

> سن لو! میں ہجرت کرنے جارہا ہوں، کسی کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ میں خوف سے بھاگ رہا ہوں۔ تم میں سے اگر کسی کو یہ پسند ہے کہ اس کی ماں اسے کھودے، اس کے بچے یتیم ہوجائیں اور بیوی بیوہ، تو وہ مجھے اس وادی کے پیچھے ملے۔

یہ مبارزت دیتے ہوئے حضرت عمرؓ بیس دوسرے اصحاب کے ساتھ روانہ ہوکر اپنی منزل مقصود پر پہنچے۔

یہ مثالیں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ ایذا رسانی کا خوف یا دنیاوی مال وزر کا حصول ہجرت کی غرض وغایت نہ تھی۔ ایک لحاظ سے یہ ایک طویل مسافت کے لئے کوچ ضرور تھا لیکن اس کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور ایک مثالی ریاست کا قیام تھا، جہاں حریت، انصاف، مساوات کا دور دورہ ہو۔ اس کا تمام جھوٹے نظریات اور عصبیتوں سے کوئی جوڑ نہ تھا، اور نہ ہی یہ انسانی سماج کی غیر فطری درجہ بند حکمرانی تھی۔ انسانی معاشرے کی بنیاد کی حیثیت سے اس نے تمام لسانی اور خونی رشتوں اور قبائلی وابستگیوں کو رد کردیا۔ اس نے علاقائی وفاداریوں کو بھی معاشرتی یا سیاسی نظام کو مربوط کرنے کی قوت کی حیثیت سے قبول کرنے سے انکار کیا۔

انسانی تعلقات تہذیب وتمدن کو ایسی کمزور اور ناپائیدار بنیادوں پر استوار کرنا اسلام کی روح اور مزاج ہی کے منافی ہے۔ اس قسم کے فرسودہ اور لاحاصل واہموں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کا تو مطمح نظر انسان کو لافانی، بے مثل ومثال، اول وآخر (ہستی) سے وابستہ کرنا ہے۔ اسلام کی عالمگیریت کے سب سے پہلے اور مقدم داعی رسول ابراہیمؑ نے اپنی اور اپنے ماننے والوں کی حکمت عملی ان الفاظ میں واضح فرمادی تھی۔

لا احب الافلین O (۹)

میں عارضی اور ناپائیدار (اشیا) کو پسند نہیں کرتا۔

ہجرت کا تمدنی سیاسی نظریہ کثیرالجہتی اہمیت کا حامل ہے۔ایک تاریخی وقوعے کے طور پر اس کی معنویت عظیم الشان ہے۔بعض مصنفین نے بجا طور پر اس کو رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرار دیا ہے۔اس نے ایسی زبردست تعمیر و ترقی کو جنم دیا کہ جس نے انسان کی تاریخ کے دھارے کو چند دہائیوں ہی میں موڑ کر رکھ دیا۔اگر اس نے صرف ایک قوم یا ملک کی تقدیر کو بدل دیا ہوتا تو بھی یہ ایک معجزہ ہی کہا جاتا۔رسول اللہ ﷺ کی ہجرت ایک ایسے نئے عالم گیر نظام کی نقیب بنی جس نے انسانی مساوات، اخوت اور سماجی و معاشی انصاف کو علاقائی حد بندیوں سے یقینی طور پر ماورا بنا دیا۔(۱۰)

خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے جب اسلامی تقویم کی شروعات ہجرت سے کرنے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے اس موقع پر اپنے خطاب میں فرمایا کہ یہ ہجرت ہی تھی جس نے حق و باطل میں امتیاز قائم کیا، یہی اسلام کی عزیمت و عروج کی علامت بنی، اسی نے بغیر رکاوٹوں اور بندشوں کے اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد سے نوازا تھا۔(۱۱)

یہاں پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہجرت اسلام کے ثقافتی اظہار کے لئے ناگزیر ہے۔اگر ایک مخصوص معاشرے یا ماحول میں اسلامی نظریئے کے لئے اپنی تہذیبی اقدار کے اظہار کے لئے کوئی جگہ نہ ہو تو مسلمانوں کو کسی دوسری سرزمین کی طرف جہاں وہ اپنی ملی زندگی میں اپنے نظریئے کو ایک رہنما قوت کے طور پر بروئے کار لاسکیں ہجرت کر جانا چاہئے۔یہ اسلام کے منظم معاشرے کے لئے حیات آفریں ہے۔

اسلام ایک نظریۂ حیات ہے جس کا مکمل اور عملی مظاہرہ وہ ایک ایسے معاشرے میں کرنا چاہتا ہے جو اس کی اپنی اقدار کے مطابق استوار کیا گیا ہو اور اس مخصوص معاشرے کی یک جہتی اور استحکام ایک نظریاتی مملکت ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔کسی دوسری ریاست کی طرح اسلامی مملکت کے بھی اپنے علامتی نشانات ہیں جنہیں اس کے شہریوں کو بھی اپنے وقار اور امتیاز کو برقرار رکھنے کی خاطر مقدس تصور کرنا چاہئے۔جیسا کہ ایک فوج کا جھنڈا اور ایک ریاست کا پرچم اس کی پہچان اور اس کے وقار کی علامت ہے۔علامات کی بے توقیری اس فوج اور ریاست کی بے عزتی یا توہین کے مترادف ہے۔شعائر اسلام اسلامی ملت کے امتیازی نشانات ہیں۔قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شعآئِرَ اللهِ فَإِنَّها مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ O (۱۲)

اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے سو یقیناً یہ دل کا تقویٰ (اللہ کا خوف) ہے۔

علامہ قرطبیؒ نے شعائر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ومن یعظم شعائر الله" الشعائر جمع شعیرة، وهو کل شئ لله تعالی فیه أمر أشعر به وأعلم، و منه شعار القوم فی الحرب، أی علامتهم التی یتعارفون بها، ومنه إشعار البدنة وهو الطعن فی جانبها الأیمن حتی یسیل الدم فیکون علامة، فهی تسمی شعیرة بمعنی المشعورة، فشعائر الله اعلام دینه لا سیما ما یتعلق بالمناسک (۱۳)

اس آیت **ومن یعظم شعائر الله** میں الشعائر شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی میں ہر وہ چیز شامل ہے جو اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، جو اس کے وجود کو ظاہر کرتی ہے اور اس کی ذات سے متعلق علم دیتی ہے۔ شعار کی اصطلاح جنگ میں خفیہ اشارے کے طور پر بھی استعمال کی جاتی ہے کیونکہ یہ فوجوں کو متنبہ کرنے کا اشارہ ہوتا ہے جسے وہ ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے مشتق ایک دوسری اصطلاح اشعار، قربانی کے جانور کے لئے ہے جسے دائیں جانب اللہ کے لئے مقدس قربانی کی علامت کے طور پر زخم لگایا جاتا ہے اور اسے شعار کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اسی طرح شعائر اللہ کے دین کی، بالخصوص حج سے متعلق نشانیاں ہیں۔

قرآن پاک کے ایک اور مفسر عطا ابن ابی رباح کا کہنا ہے کہ تمام احکامات اور ممنوعات اللہ کے شعائر ہیں (۱۴)۔ ایک اور مفکر کے مطابق سارے کا سارا اللہ کا دین (اسلام کا مقرر کردہ طرزِ زندگی) شعار ہے (۱۵)۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں، اور ہے بھی اہم کہ قرآن پاک میں شعائر کا لفظ چار مرتبہ استعمال ہوا ہے اور اس ضمن میں ساری متعلقہ آیات اور سورتیں مدینہ منورہ میں ہجرت کے ہی بعد نازل ہوئی ہیں۔ یہ واضح کنایہ ہے کہ اللہ کی طرف سے شعائر مقرر کرنا اور ہجرت لازم وملزوم ہیں۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ معظمہ ۲۸ صفر کو چھوڑا تھا اور آپ مدینہ منورہ کے نواح میں ۸ ربیع الاول کو پہنچے تھے اس کے باوجود ہجری تقویم یکم محرم سے شروع ہوئی تھی۔ کیونکہ اول تو بیعت عقبہ ثانی ذوالحجہ کے دوسرے تیسرے ہفتے میں ہوئی تھی اور یہ اس وقت طے پایا تھا کہ آئندہ سال ہجرت کا سال ہوگا۔ اور اس طرح اسے نئے اسلامی دور کا آغاز شمار کیا گیا۔ اور دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نے شروع محرم سے ہجرت کا آغاز کر دیا تھا اور ذوالحجہ کے آخری ہفتے میں مدینہ منورہ کے دارالاسلام ہونے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ غارِ حرا میں

پہلا نزول وحی بیج بونے کی مانند ہے۔ جبکہ ہجرت پودے کے تناور ہونے کی طرح ہے۔ یا پھر زیادہ صحیح طور پر یوں کہا جائے کہ پہلی نزولِ وحی کو مسلم امہ کے استقرار سے تعبیر کیا جائے اور ہجرت کو ولادت سے۔ مسلم امت کی پیدائش یکم محرم ایک ہجری کو ہوئی۔ ہجرت اسلامی مملکت کے قیام اور اسلام کے بہترین تصورات کو حقیقت بنا کر دکھانے کا دروازہ تھا۔ اسی سے اسلام کا آفاقی کردار نمودار ہوا۔

ہجرت کی اصطلاح کا قرآن پاک اور قدیم عربی ادب میں استعمال

قبل اس کے کہ ہم ہجرت کے تکنیکی، فلسفیانہ معنی اور اس کے پیغام کو زیرِ بحث لائیں یہ بہتر ہوگا کہ اس کے لفظی معنی، کلاسیکی عربی شاعری میں اس کے استعمال اور اس کے مختلف مشتقات جان لیں۔ هَجرَة کا لفظ عربی مصدر هَجرَ سے ماخوذ ہے، جس کے بنیادی معنی ہیں مودت کے رشتے منقطع کرنا، پیار و محبت کے ارتباط ختم کرنا بھلا دینا، علیحدہ ہو جانا، ہمیشہ کے لئے بالکل چھوڑ دینا۔ عربی میں کہا جاتا ہے هَجرَ جس کے معنی ہوتے ہیں اس نے اس سے بات کرنا بند کر دیا یا اس سے میل ملاپ ترک کر دیا۔ اس مصدر کا استعمال چھوڑ دینے، رک جانے، بچنے، بے پرواہی برتنے اور احتراز کرنے کے مفہوم میں بھی ہوتا ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے هُمَا يَهْجُرَان اور هُمَا يَتَهَاجُرَانِ ان دونوں کے معنی ہیں ان دونوں نے ایک دوسرے سے دوستانہ تعلقات ختم کر لئے۔ اسی مصدر کے دوسرے مشتقات تھاجر اور مھاجرہ کے معنی باہمی تعلقات کا انقطاع ہیں۔(۱۶)

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ واضح ہے کہ مصدر هَجرَ کے معنی کسی سے ناپسندیدگی کے ساتھ گریز کرنے، نفرت اور ناگواری کے ساتھ محترز ہونے کے ہوتے ہیں۔ ایک عرب کلاسیکی شاعر اسامہ کہتا ہے۔(۱۷)

كَـأنـي أصـاديهـا نعلي غُبْرِ مَـا
مُـقَـلَّـصَةً، قَـدْ أهْـجَرَتْهَا فُحُولُهَا

گویا کہ شدید گرد و غبار کے درمیان سے ہو کر میں انہیں مارنے جا رہا ہوں جبکہ وہ جسامت اور وزن میں گھٹتے جا رہے ہیں اور ان کے نروں نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔

یہاں پر بھی چھوڑ دینے کے مفہوم میں ناپسندیدگی واضح ہے۔ عربی میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ هَجَرَ فِي الصَّوْمِ یعنی وہ روزے کی حالت میں جنسی اختلاط سے رک گیا۔ یہاں پر بھی کسی چیز کو ترک کرنے میں

ناپسندیدگی اور ناگواری کا مفہوم موجود ہے۔ ایک مشتق اس مصدر سے ھاجرات بھی اسی مفہوم کا حامل ہے۔ جس کے معنی ہیں ضرر رساں، فتنہ انگیز چیزیں، بے ہودہ اور اسی طرح کی بری چیزیں جن سے بچنا چاہئے۔ (۱۸)

قرآن پاک اس لفظ کو اسی مفہوم میں بہ کثرت استعمال کرتا ہے۔ سورہ مزمل میں رسول اللہ ﷺ کو کفار کو بھلے طریقے سے چھوڑ دینے کی ہدایت کی گئی ہے، وہ جو چاہیں انہیں کرنے دو، ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو''۔ یہاں پر جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ ہیں:

واھجرھم ھجراً جمیلا O (۱۹)

اور ان سے بھلے طریقے سے الگ ہو جاؤ۔

قرآنی الفاظ کی جامع اور مشہور لغت المفردات میں امام راغب الاصفہانی نے اس لفظ کے مشتقات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

الھجر و الھجران، مفارقۃ الانسان غیرہ إما بالبدن أو باللسان، أو بالقلب (۲۰)

الفاظ ھَجَر اور ھَجَران کے معنی ہیں (قرآن اور دوسری جگہوں میں) ایک شخص کا دوسرے کو چھوڑ دینا جسمانی یا روحانی طور پر۔

امام راغب مزید کہتے ہیں کہ قرآنی آیت

واھجروھُنَّ فی المضاجع (۲۱)

انہیں بستروں سے الگ کر دو

میں جسمانی علیحدگی مراد ہے۔ جبکہ اس قرآنی آیت میں:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْآنَ مَھْجُوْرًا O (۲۲)

اور رسول نے کہا، اے میرے رب! اس قرآن کو میرے لوگوں نے چھوڑ دیا ہے، اس سے اعراض برتا ہے۔

زبان اور دل سے اعراض برتنا یا صرف دل سے نہ ماننا مراد ہے۔ اور قرآنی آیت وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلًا (۲۳) میں غالباً چھوڑ دینے کے تینوں طریقے بہ یک وقت مراد ہیں۔ امام راغب کا بیان ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے ایک معنی مراد ہوں۔ اس معاملے میں یہ متعین کیا جانا چاہئے کہ یہاں

پر کیا مراد ہے اور اس آیت میں سب سے زیادہ کیا موزوں ہے۔ دوسرے علماء کا حوالہ دیتے ہوئے راغب اصفہانی کا کہنا ہے کہ ہجرت کو ہجرت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ انسان سے اپنی تمام نفسیاتی خواہشات چھوڑنے، بری عادتوں سے اعراض، برائیوں سے بچنے اور ان تمام کی مذمت کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ (۲۴)

قرآن پاک کی ان آیتوں کا یہ مختصر جائزہ جو ہجرت اور اس سے متعلقہ دوسرے موضوعات کا بیان کرتی ہیں، اس نتیجے پر پہنچنے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ایک سچے مسلمان کی زندگی کا مقصد قرآن کے مطابق دنیا میں ایک منصفانہ اور حقیقی الوہی نظام حیات قائم کرنا ہے۔ ہر مسلمان کو بدیہی طور پر اپنے کام کا آغاز اپنے گردوپیش سے کرنا چاہئے۔ اسے اپنے اہل وعیال کو اسلامی نظریئے کو ایک منطقی طور پر درست واحد راستے کی حیثیت سے قبول کرنے کے لئے قائل کرنا چاہئے جو بنی نوع انسان کی آزادی، خوش حالی اور انصاف کا ضامن ہو سکے۔ لیکن اگر اس کی تبلیغ میں پیش قدمی کو ایک مخصوص علاقے میں ناممکن بنادیا جائے، تب بھی ایک مسلمان کبھی بھی دل برداشتہ نہیں ہوتا۔ اسے کسی ایک مخصوص قطعہ زمین سے کوئی دل چسپی نہیں، سوائے اس کے کہ وہ جس مقصد (عقیدے) کے لئے کمربستہ ہے، وہ پھولے پھلے۔ اگر کسی علاقے میں یہ عقیدہ ہی خطرے میں ڈال دیا جائے تو وہ اس علاقے کو خدا حافظ کہہ دیتا ہے اور دوسری جگہ چلا جاتا ہے جہاں اسے اپنے عقیدے کی ترویج کے امکانات روشن نظر آتے ہیں۔ ایک سچا، صاحب ایمان مستقلاً کسی سرزمین سے جائے پیدائش ہونے کی بنیاد پر بھی وابستہ نہیں رہ سکتا۔ ایک مومن کا کوئی فادر مدر لینڈ نہیں ہوتا۔ اس کا وطن صرف دارالاسلام ہوتا ہے۔

اس دنیا میں اس کا مقصود ایک جانور کی طرح زندہ رہنا اور مرنا نہیں ہے اس کے برعکس اسے تو ایک اعلیٰ وارفع مقصد کے لئے جینا اور اسی کے لئے مرنا ہے۔ اسے تو جینا چاہئے جیسا کہ اللہ نے اُسے حکم دیا ہے اور اللہ ہی کے راستے میں مرنا چاہئے جیسا کہ اللہ نے مرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن نے ہر مسلمان پر یہ ذمے داری عائد کی ہے کہ وہ اس اصول کو بہ بانگ دہل ساری دنیا پر واضح کردے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ O (۲۵)

کہہ دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب جہانوں کے پالنے والے اللہ ہی کے لئے ہے۔

ایک مسلمان کو اگر کسی مقام پر اپنے اعتقادات پر عمل پیرا ہونے کی مذہبی آزادی نہ ہو تو اسے اس

جگہ کو فوراً خیر باد کہہ دینا چاہئے اور کسی متواضع خطۂ زمین کی طرف ہجرت کر جانا چاہئے، جہاں وہ اپنے محبوب مطمح نظر کے مطابق سرگرم عمل رہ سکے۔ اس طریق عمل میں اسے ان تمام دنیاوی وابستگیوں کو جو راستے کی رکاوٹ بنیں مسترد کر دینا چاہئے۔ اس طرح ہجرت کے بہت وسیع معنی ہیں۔ جن میں دولت، خوش حالی، جائیداد، اَنا، اقتدار، اہل وعیال، ملک، گھربار ہر چیز سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اپنے عقیدے کے مفاد میں دست بردار ہو جانا چاہئے۔ یہی ہے وہ مطلوب جو قرآن چاہتا ہے۔

حدیث میں بھی لفظ ہجر مصدر اور اس کے مشتقات اسی مفہوم میں استعمال کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں بہ کثر روایات ہجرت کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ لفظ ہجرت کسی سے دوستانہ تعلقات سے دست کش ہونے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جبکہ ابن منظور نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

لاھجرۃ بعد ثلاث (۲۶)

قطع تعلق کو تین دن سے زیادہ ہرگز تجاوز نہ کرنا چاہئے

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے ساتھی مسلمان سے تین دن سے زیادہ غیر دوستانہ رویہ نہیں اختیار کرنا چاہئے۔

انہیں کی روایت کردہ ایک اور حدیث اسی مصدر کے دوسرے معنی کی حامل ہے۔ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

و من الناس من لا یذکر اللہ الا مھاجرا (۲۷)

لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کو یاد کرتے ہیں مگر بے توجہی اور بے رغبتی سے۔

حدیث میں لفظ مھــاجــرا کی تشریح کرتے ہوئے ابن منظور کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اچاٹ دل کے ساتھ وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں گویا کہ دل اس کی زبان کا ساتھ نہیں دے رہا، غیر حاضر ہے۔

ایک اور روایت میں حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں:

ولا یقرء ون القرآن إلا ھجرا (۲۸)

وہ قرآن کو لاپرواہی اور بے توجہی سے پڑھتے ہیں۔

احادیث کے ذخیرے میں مصدر **ھجر** کے تمام مستعملات اور مشتقات رد کرنے، ناپسندیدگی اور ترک کرنے کے مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے احادیث کے ادبی سرمائے سے کچھ اور مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

امام احمد بن حنبل، بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداؤد نے حدیث روایت کی ہے:

من هجر أخاه فوق ثلاث فمات دخل النار (۲۹)

جو کوئی بھی اپنے بھائی سے تین (دن) سے زیادہ تعلقات منقطع رکھتا ہے اور پھر مر جاتا ہے تو وہ آگ میں داخل ہوگا۔

ایک حدیث میں اس غلط فہمی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں جو حج کے سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ کی دو ازواج کے درمیان پیدا ہوگئی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ایک کو تنبیہ کی، اس روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔

فهجرها فلم يكلمها حتى قدم مكة (۳۰)

آپ ﷺ ان کے ساتھ نہ رہے (دوری اختیار کی) اور ان سے بات نہ کی جب تک مکہ معظمہ نہ پہنچ گئے۔

دونوں مواقع پر مصدر **هجو** کا رک جانے اور ناپسندیدگی کے اظہار کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک حدیث جو ایک باغ کے قضیے سے متعلق ہے روایت کی گئی ہے۔

فهجرت ابا بكر رضى الله عنه فلم تزل مهاجرته حتى توفيت (۳۱)

انہوں (حضرت فاطمہؓ) نے ان (حضرت ابوبکرؓ) کا مقاطعہ کیا اور اسے اپنی موت تک جاری رکھا۔

امام دارمی نے ایک حدیث روایت کی ہے۔

وتحضره الملائكة وتهجره الشياطين (۳۲)

ملائکہ ان کے پاس حاضر ہوئے اور شیاطین نے انہیں چھوڑ دیا۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں جو مصدر **هجر** کے لفظی معنی اور حدیثی ادب میں اس کے استعمال کی وضاحت کرتی ہیں۔ اس مفہوم میں حقیقی ہجرت تمام دوستانہ تعلقات کا ہر اس چیز سے منقطع کر لینا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا اور ہر اس چیز کو رد کر دینا ہے جو اسلامی عقیدے کی راہ میں حائل ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المهاجر من هجر مانهى الله عنه (۳۳)

(حقیقی) مہاجر تو وہی ہے جو ہر اس چیز کو ترک کر دے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔

ایک دوسرے متن کے مطابق

المهاجرُ من هَجَرَ السُّوءَ (۳۴)

مہاجر تو وہی ہے جو برائی کی ہر شکل سے اِبا کرے۔

مزید برآں ایک دوسرے متن میں

المهاجر من هجر الخطايا والذنوب (۳۵)

(حقیقی) مہاجر تو وہی ہے جو جرائم اور گناہوں کو ترک کردے۔

ایک صحابی فرماتے ہیں۔

تركت أهلي ومالي مهاجرا إلى الله (۳۶)

میں نے اپنے اہل وعیال، مال ودولت اور جائیداد کو اللہ تعالیٰ کی طرف پیش قدمی کی خاطر چھوڑ دیا۔

ہجرت تاریخی تناظر میں

ہجرت ہمیشہ قائم رہنے والی حقیقت ہے۔ تاریخ کے آغاز سے یہ تمام مصلحین کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ انسان کی تخلیق ہی کے ساتھ سے یہ دنیا جنگ وجدل کی آماج گاہ رہی ہے۔ اس نے سدا داعیانِ حق کے ساتھ باطل پرستوں کی کشمکش کا مشاہدہ کیا ہے۔ انبیائے کرام کو الوہی ماخذ سے جو کچھ ملا اس کے نفاذ کی انہوں نے جدوجہد کی، مگر منکرین کی مخالفت کے بغیر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ بہت سے مواقع پر وہ اپنے اصلی وطن اور اہل وعیال کو چھوڑنے پر، دوسرے موزوں علاقے کی تلاش میں جو ان کے مشن اور تبلیغ کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو، مجبور کردیئے گئے۔ قرآن پاک نے اس قسم کی کچھ جستجوؤں کی جھلکیاں بیان کی ہیں۔ ہم ان کا ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

تاریخ میں حضرت نوحؑ وہ سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا۔ انہوں نے نو صدیوں سے زیادہ اپنے لوگوں کے دماغوں میں اللہ کا پیغام بٹھانے کی جدوجہد کی۔ انہوں نے تمام سختیاں استقلال اور بردباری سے برداشت کیں۔ لیکن ان کی قوم روحانی طور پر اس قدر بانجھ تھی کہ صرف ایک مٹھی بھر ایمان دار وجود میں آئے۔ بقیہ نہ صرف کفر پر اڑے رہے بلکہ انہوںؑ نے ایمان والوں کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ مایوس ہوکر نوحؑ کے لئے کوئی اور چارہ کار نہ بچا سوائے اس کے

کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کفار کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی دعا کریں۔ ان کی شدید نا امیدی میں اللہ تعالیٰ سے التجا سورۂ نوح میں بیان ہوئی ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّی دَعَوْتُ قَوْمِی لَیْلاً وَّنَهَاراً ۝ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَائِی اِلَّا فِرَارًا ۝ وَاِنِّی كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَلَهُمْ جَعَلُوا اَصَابِعَهُمْ فِیْ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّی دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّی اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ یُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْكُمْ مِدْرَارًا ۝ وَیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَكُمْ اَنْهَارًا ۝ مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا وَیُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلاً فِجَاجاً ۝ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلاً ۝ مِمَّا خَطِیْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (۳۷)

نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! میں اپنی قوم کو رات دن (تیری طرف) بلاتا رہا۔ مگر میرے بلانے سے وہ (دین سے) اور زیادہ بھاگتے رہے۔ اور جب بھی میں نے اُن کو بلایا تا کہ تو اُن کو بخش دے تو اُنہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے اوپر کپڑے ڈال لئے اور وہ (کفر پر) اڑے رہے اور انتہائی تکبر کرتے رہے۔ پھر میں نے ان کو با آوازِ بلند بلایا۔ پھر میں نے ان کو علانیہ بھی کہا اور پوشیدہ طور پر بھی۔ اور میں نے کہا اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگو۔ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر خوب بارش برسائے گا۔ اور تمہیں مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور

تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ حالانکہ اُس نے تمہیں طرح طرح سے پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے کس طرح اُوپر تلے سات آسمان بنائے۔ اور ان میں چاند کو چمکتا ہوا اور سورج کو (روشن) چراغ بنایا۔ اور اللہ ہی نے تمہیں زمین سے ایک خاص طریقے سے اُگایا اور پیدا کیا ہے۔ پھر وہ تمہیں اسی زمین میں لوٹائے گا اور (اسی سے) تمہیں نکال کر کھڑا کرے گا۔ اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا۔ تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھرو۔ نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے ربّ! ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور ان کی پیروی کی جن کے مال واولاد نے ان کو نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا۔ اور انہوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں۔ اور انہوں نے (آپس میں) کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ وَدّ اور سُواع اور یغُوث اور یعُوق اور نَسر کو چھوڑنا۔ حالانکہ وہ بہت سوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور (اے اللہ!) تو بھی ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دے۔ (آخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب غرق کردیئے گئے اور جہنم میں داخل کردیئے گئے۔ پھر انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو مددگار نہ پایا۔ اور نوحؑ نے کہا اے میرے ربّ! تو روئے زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا نہ چھوڑنا۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یقیناً یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی فاجر اور کافر ہی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کی دعا کو قبول فرمایا۔ اللہ نے انہیں پہلے ہی وہ سزا بتادی تھی جو کافروں پر نازل ہونے والی تھی اور نوح اور ان کے ساتھیوں کو ایک کشتی بنانے اور ایک محفوظ جگہ پر ہجرت کر جانے کا حکم دیا، جہاں ایمان لانے والوں کی جماعت اپنا ایک معاشرہ قائم کرے۔ نوحؑ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے تمام کافر رشتہ داروں سے قطع تعلق کرلیا۔ نوحؑ کو بھی اپنے بیٹے کو چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ بدکردار تھا۔ (۳۸)

حضرت نوحؑ علیہ السلام کے صدیوں بعد انسانیت نے اپنے وقت کے سب سے عظیم انسان پیغمبر حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی ہجرت کا مشاہدہ کیا۔ جب انہوں نے اللہ کا پیغام اپنے بدبخت لوگوں کو پہنچایا تو انہوں نے نہ صرف مخالفت کی بلکہ ان کے مقدس مشن کو انہیں آگ میں ڈال کر ختم کرنے کی سازش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈا ہونے اور ابراہیمؑ کو نہ جلانے کا حکم دیا۔ اس طرح اس نے ابراہیمؑ کی زندگی

اور ان کے مشن کو محفوظ رکھا۔ ساتھ ہی انہیں اپنے ملک کے لوگوں کو چھوڑ دینے اور ایک نئی اور بہتر زمین کی طرف چلنے کی ہدایت کی۔ ابراہیمؑ نے اپنے گھر والوں کے سامنے اعلان کیا۔

میں اپنے رب کے پاس جا رہا ہوں جو میری رہنمائی کرے گا۔(۳۹)

ابراہیمؑ نے اپنی جائے پیدائش کو خدا حافظ کہا اور فرات کے مغربی کنارے پر ایک قصبے میں اپنی بیوی سارہ اور بھتیجے لوطؑ اور ان کی بیوی کے ساتھ آباد ہو گئے۔ لیکن یہ زمین بھی ان کے نظریئے کے لئے ناموزوں تھی۔ لہٰذا یہ مقدس جماعت فلسطین کے راستے حران کے لئے روانہ ہو گئی۔ دونوں جگہوں نے ان کی تبلیغ کی طرف دھیان نہ دیا۔ بالآخر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بھتیجے لوطؑ اور ان کی بیوی کو سدوم بھیجا اور خود اپنی بیوی سارہ کے ساتھ مصر روانہ ہو گئے۔ لیکن ناموافق ماحول نے مصر چھوڑنے پر بھی مجبور کر دیا۔

(حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اپنی دوسری بیوی ہاجرہ کو شیر خوار بیٹے اسماعیل کے ساتھ بے آب و گیاہ وادی مکہ میں چھوڑا۔ بعد میں وہاں آتے جاتے رہے۔ اسماعیل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر ذبح کرنے کی آزمائش میں بھی پورے اترے اور پھر اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر خانۂ کعبہ کی تعمیر کی۔ لوگوں کو حج کے لئے پکارا اور حج کے مناسک سکھائے۔ مترجم) پھر وہ واپس فلسطین آئے اور وہیں ان کی وفات ہو گئی۔ ان کی ساری زندگی ہی ایک مہاجر کی طرح اس لفظ کے حقیقی معنی میں بسر ہوئی۔

ان کی زندگی کا نقشہ ایک ایسے شخص کی تصویر پیش کرتا ہے جو علاقائی، لسانی، نسلی اور خونی وابستگیوں سے بہت بلند اور انسانی اخوت کا داعی تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر ہر چیز قربان کر دینے کا عملی مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی سنت کو آنے والے تمام زمانوں کے لئے قائم رکھا۔ ابراہیمؑ ان تمام لوگوں کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امام ہیں جو بہترین خداوندی تصورات میں انسانوں کے بھائی چارے کی بنیاد پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ......لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ مَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ O (۴۰)

بلاشبہ تمہارے لئے ایک بہترین نمونہ ہے ابراہیم میں اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ

تھے، جب کہا تھا انہوں نے اپنی قوم سے کہ ہم قطعی بے زار ہیں تم سے اور ان سے جنہیں تم پوجتے ہو اللہ کے سوا۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں اور ہوگئی ہمارے تمہارے درمیان عداوت اور دشمنی ہمیشہ کے لئے الا یہ کہ تم ایمان لے آؤ اللہ پر جو یکتا ہے...... یقیناً تمہارے لئے انہیں لوگوں (کے طرز عمل) میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو امیدوار ہو اللہ کا اور روزِ آخر کا اور جس نے منہ موڑا تو بیشک اللہ وہ ہے جو بے نیاز ہے اور لائق حمد وثنا ہے۔

تقریباً پانچ صدی بعد ان ہی کی نسل سے حضرت موسیٰ اپنے ماننے والوں کو لے کر مصر سے ایک موعودہ سرزمین کی تلاش میں جہاں وہ توریت کی تعلیمات پر آزادانہ عمل کرسکیں حضرت ابراہیمؑ کی سنت کی تجدید کرنے کے لئے نکلے۔ انہوں نے اپنے متبعین کی ایک لمبی مسافت میں مصر سے کنعان تک، جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے، رہنمائی کی۔ حضرت موسیٰ کی ہجرت کا رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے موازنہ ایک دل چسپ مطالعہ فراہم کرتا ہے (۴۱)۔ مزید برآں حضرت موسیٰ کی ہجرت کی قرآنی تفصیلات کا بائبل کے ان کے خروج کے بیان سے تقابل نہ صرف دل چسپ ہے بلکہ قرآن کی برتری کا بیّن ثبوت ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی ہجرت جنہوں نے اپنی ذاتی مثالوں سے قربانی، لگن اور جواں مردی کو نئے معنی دیئے، بے مثل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحجہ کے تیسرے ہفتے میں نزول قرآن کے تیرہویں سال مدینہ منورہ کے ۷۳ مردوں اور دو عورتوں سے وفاداری کا حلف لیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، اس طرح یکم محرم سن ایک ہجری سے عظیم الشان ہجرت کا آغاز ہوا۔ صحابہ کرامؓ کی کچھ قربانیوں کی مثالیں اوپر بیان ہوئی ہیں۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی دولت کی قربانی کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر پسند فرمایا کہ اس نے اپنی رضا اور قبولیت کو مقدس کتاب میں بیان کردیا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ (۴۲)

اور لوگوں میں سے وہ ایک ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی خوش نودگی حاصل کرنے کے لئے بیچ دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو حبار ابن الاسود نے شدید مجروح

کر دیا تھا۔ انہیں ان کے شوہر کے بھائی بہ حفاظت مدینہ منورہ لے گئے مگر وہ زیادہ عرصے زندہ نہ رہ سکیں، اور اُنھیں زخموں کی وجہ سے وفات پا گئیں۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے سب سے زیادہ معتمد صحابیوں میں سے کچھ مکہ مکرمہ ہی میں منتظر رہے یہاں تک کہ تمام مومنین مدینہ منورہ چلے گئے۔ ماہ صفر یکم ہجری کو رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ جنہوں نے خاص طور پر دو اونٹنیاں کھلا پلا کر اس مقدس سفر کے لئے پہلے ہی سے تیار کر رکھی تھیں، اذن ہجرت مدینہ ملا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان میں سے ایک اونٹنی تحفتاً منتخب فرمالیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے قیمت ادا کرنے پر اصرار فرمایا۔ علامہ زرقانی کا خیال ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کو عبادت کا ایک بڑا عمل تصور فرماتے تھے اس لئے آپ نے ابوبکرؓ کو قیمت ادا کرنا چاہا۔ (۴۳)

جب رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ چھوڑ رہے تھے تو آپؐ کے فرمائے ہوئے یہ الفاظ روایت کئے گئے ہیں:

> تو اللہ تعالیٰ کی دنیاوی عمل داری میں سب سے بہتر اور اس کی پسندیدہ ترین جگہ ہے۔ اگر مجھے چھوڑنے پر مجبور نہ کر دیا گیا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔ (۴۴)

اس سے پیغمبرانہ ہجرت کی روح واضح ہوتی ہے۔ آپ سب سے زیادہ مقدس شہر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے ہوئے اپنے مشن کی خاطر چھوڑ رہے تھے۔

آپ ﷺ مکہ معظمہ سے غار ثور پہنچے جہاں حضرت ابوبکرؓ کے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی سکینت عطا ہوئی۔ یہ دونوں مہاجر اس غار میں تین رات رہے۔ اس عرصے کے دوران ابوبکرؓ کے بیٹے، بیٹی اور ملازمین روزانہ غار پر آتے، کھانا اور ضروری اطلاعات بہم پہنچاتے رہے۔ جب وہ سوار ہو کر مدینہ منورہ جارہے تھے تو بہت سے انعام کے طالبوں نے ان کا پیچھا کیا۔ ایک پیچھا کرنے والا سراقہ ابن جعثم رسول اللہ ﷺ کو شناخت کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ابوبکرؓ پریشان ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ سکون سے اونٹنی کی پیٹھ پر قرآنی آیات کی تلاوت کرتے رہے۔ سراقہ نے ان دونوں کو پکڑنے کی کئی کوششیں کیں لیکن کامیاب نہ ہوا۔ مسلسل ناکامی پر اس نے اسلام قبول کرلیا۔ سراقہ کے لئے تعجب خیز پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی کہ وہ فتح اور اسلام کا عروج دیکھنے اور فارس کی شہنشاہی کا زوال دیکھنے تک زندہ رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی دوررس نگاہوں نے سراقہ کی کلائی میں کسریٰ کے کنگن تک دیکھ لئے۔

اس اعتماد اور جذبے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ بلاشبہ قرآن کے بعد پیغمبرانہ مشن کی صداقت کا سب سے واضح ثبوت ہجرت ہے۔ یہ اپنے جلو میں تاریخ کا لاثانی انقلاب لائی۔

ہجرت اور جہاد کا باہمی تعلق

ہجرت کی مسلمہ روایت کو سارے اسلامی فلسفے کے سیاق میں اس کے مشنری پہلو کے تناظر میں دیکھا جائے۔ اسلام مومنین پر لازم کرتا ہے کہ وہ دنیا میں قرآنی نظام کے نفاذ کے لئے حصول مقصد پر مبنی کوششیں کریں اور اپنی زندگیوں کو قرآن اور قرآن پہنچانے والے کی توضیح کے مطابق استوار کریں۔ یہ ساری زندگی پر محیط جدوجہد قرآنی اصطلاح میں جہاد کہلاتی ہے۔ اگر شر کی قوتیں رکاوٹ بنیں تو ہر طرح سے کوشش کر کے ان کے منصوبے کو ناکام اور نیست و نابود کر دینا چاہیے۔ برائی جو حق کی راہ میں مزاحم ہوا سے قرآن نے طاغوت (شیطان) کا نام دیا ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اسے مسترد کر دیں اور اس کی مذمت کریں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ (۴۵)

وہ (منافق) اپنے قضیوں کے فیصلے کے لئے طاغوت (شیطان) کے پاس جانا پسند کرتے ہیں۔ جب کہ انہیں اس سے دست کش ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

طاغوت کی توبیخ ہجرت اور جہاد دونوں کے اہم پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ آیئے ہم سمجھنے کی کوشش کریں کہ جہاد ہجرت سے تعلق رکھتا ہے کس طور، اور کون سی نفسیاتی ہم آہنگی ان دونوں میں موجود ہے۔

شاہ ولی اللہ کے بہ موجب زندگی کا سب سے اچھا اور مکمل ترین نظام وہ ہے جو شعبۂ جہاد استوار کرتا ہے۔ جہاد کی اصل مراد اللہ تعالیٰ کے الفاظ کو ہمہ جہت جدوجہد کے ذریعے اعلیٰ مرتبے پر اجاگر کرنا ہے (۴۶)۔ یہ اپنے وسیع تر مفہوم میں ایک وسیع المعنی اصطلاح ہے۔ ہر وہ عمل جو اسلامی مملکت کی حفاظت اور سالمیت کو یقینی بنائے یا جو اسلامی مقصد کو تقویت پہنچانے کے لئے ہو، عمل جہاد اور عبادت کا عمل ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا:

أفضل الجهاد الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فمن أمر بالمعروف شد ظهر المؤمنين و من نهى عن المنكر أرغم أنف المنافقين و من أبغض

الفاسق و غضب اللہ غضب اللہ لہ (۴۷)

جہاد کی سب سے اعلیٰ شکل نیکیوں کو بڑھانے اور برائیوں کو روکنے کو یقینی بنانا ہے۔ جو بھی نیکی کو بڑھاتا ہے وہ مومنین کی کمر مضبوط کرتا ہے اور جو قابل نفرت چیزوں سے منع کرتا ہے، وہ منافقین کی مخالفت کرتا ہے اور جو بھی منافقوں سے نفرت کرتا ہے، اور اللہ کی خاطر مغبوض بنتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے (اس کی مدافعت میں) غضب ناک ہوتا ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ تمام کوششیں جو معاشرے میں بھلائی پھیلانے اور برائی کو ختم کرنے کے لئے کی جاتی ہیں وہ جہاد کی بہترین شکل متصور ہوں گی۔ ہمارے رسول ﷺ نے حسان بن ثابتؓ سے ایک بار فرمایا:

یاحسان (رضی اللہ عنہ) اھجھم و جبریل معک و إذا حارب أصحابی بالسلاح فحارب أنت بلسانک (۴۸)

اے حسان کفار کی ہجو کرو جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں، جس طرح میرے صحابی ہتھیاروں سے لڑتے ہیں تم اپنی زبان سے لڑو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ شاعرانہ اور ادبی مشاغل جن کا مقصود اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی مدافعت ہو، وہ بھی جہاد کے زمرے میں شمار کئے جائیں گے۔

معروف شیعہ عالم شیخ صدوق متعدد روایات کا حوالہ دیتے ہیں جو بتاتی ہیں کہ خاندانی نظام کی حفاظت کرنا امت کو محفوظ بنانے کی طرح ہے۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری نے بھی ایک حدیث اس موضوع پر نقل کی ہے۔ شیخ صدوق بیان کرتے ہیں۔

روی أن الکاد علی عیالہ من حلال کَالْمُجَاھِدِ فی سبیل اللہ (۴۹)

روایت کی گئی ہے کہ جو اپنے خاندان کی پرورش کے لئے اکلِ حلال کماتا ہے، اُس شخص کے مثل ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔

شیخ صدوق مزید بیان کرتے ہیں:

روی أن جھاد المرأۃ حسن التبعل (۵۰)

روایت کی گئی ہے کہ عورتوں کا جہاد ان کی بہترین عائلی زندگی ہے۔

اس موضوع سے متعلق امام بخاری نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فاستأذنه في الجهاد فقال صلى الله عليه وسلم: أحي والداک؟ قال: نعم قال: ففيهما فجاهد (۵۱)

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور جہاد (میں شرکت) کی اجازت چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تیرے والدین حیات ہیں؟ اس نے کہا ''ہاں'' آپ نے فرمایا تو پھر تو ان میں جہاد کر (یعنی جا اور ان کی خدمت کر)

جہاد کی اہمیت کے پیش نظر حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ کی حیثیت سے اپنے پہلے خطبے میں اعلان فرمایا:

لایدع احد منکم الجهاد في سبيل الله فإنه لا يدعه قوم إلا ضربهم الله بالذل (۵۲)

تم میں سے کوئی بھی جہاد کو نہ چھوڑے کیونکہ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ذلت مقرر کر دیتا ہے۔

جہاد انسان کی مادی دنیا کو ترک کرنے کے رجحان کی ضرورت بھی پوری کرتا ہے، کچھ افراد مذہبی جوش و جذبے سے مغلوب ہوتے ہیں اور خانقاہی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام اس خواہش کی فطری انداز میں تشفی کرتا ہے۔ روزہ، اعتکاف (اللہ کی عبادت کے لئے مسجد میں بیٹھ جانا) اور جہاد باہم دگر اس مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص کی شدید خواہش ہو کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کیلئے وقف کر دے تو اسے جہاد کرنا چاہئے۔ یہ معاشرے کی اجتماعی فلاح میں معاون ہوگا، ورنہ مجرد خانقاہیت سے محض گوشہ نشینی یا سنیاس جیسے اثرات مرتب ہوں گے۔ حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے ارشاد نقل کرتے ہیں۔

لكل نبي رهبانية ورهبانية هذه الأمة الجهاد في سبيل الله عزوجل (۵۳)

تمام انبیاء کی کسی نہ کسی (انداز میں) رہبانیت رہی ہے لیکن یہ اس امت کے لوگوں (مسلمانوں) کا اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔

ایک اور روایت کے مطابق ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور روحانی تزکیئے کی جستجو میں ہر چیز چھوڑ دینے کی اجازت چاہی۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان سياحة أمتي الجهاد في سبيل الله تعالى (۵۴)

میرے لوگوں کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔

ہجرت جہاد کے تدریجی عمل میں ایک اہم مرحلہ بنتی ہے۔ یہ ایک دوسرے کو مکمل کرنے والے اور

آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ ہجرت کا مطلب مشکلات اور مسائل سے بچنا نہیں ہے۔اس کے معنی ایک ماحول کی جستجو ہے جو تبلیغی زندگی کے موافق ہو۔

فتح مکہ کے بعد کچھ لوگوں نے سوچا کہ اب ہجرت کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک گزرا بسرا واقعہ تھا۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے اس خیال کی اصلاح فرمائی۔امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ کچھ صحابہ میں آپس میں مباحثہ ہوا کہ آیا فتح مکہ کے بعد ہجرت کی تنظیمی حیثیت باقی رکھنے کا کوئی جواز باقی رہتا ہے یا نہیں۔ ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہجرت کی اب کوئی افادیت باقی نہیں رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

لا تنقطع الهجرة مادام الجهاد (۵۵)

ہجرت اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی جب تک کہ جہاد ہے۔

اس روایت کا ایک دوسرا متن بھی بیان کیا گیا ہے جو درج ذیل ہے۔

لا تنقطع الهجرة ماقوتل الكفار (۵٦)

ہجرت ختم نہیں کی جا سکتی جب تک کہ کفار سے جنگ جاری ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت معاویہؓ کے حوالے سے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا، روایت کی ہے کہ ہجرت بند نہیں کی جا سکتی جب تک کہ توبہ بند نہیں کی جاتی اور توبہ اس وقت تک بند نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے نہ طلوع ہو۔(۵۷)

یہ ذہن میں رہے کہ امام داؤد نے یہ حدیث جہاد کے سیاق میں بیان کی ہے۔اس سے یہ مترشح ہے کہ عظیم محدث، ہجرت کو ایک اہم باب اور جہاد ہی کا ایک مرحلہ تصور کرتے ہیں اور یہ کہ دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ امام داؤد نے اپنی سنن میں ایک اور باب ''جہاد کا تسلسل'' کے عنوان سے قائم کیا ہے۔اس باب میں وہ مندرجہ ذیل حدیث نقل کرتے ہیں۔

لا تزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناوأهم حتى يقاتل آخرهم المسيح الدجال (۵۸)

میری امت کے لوگوں میں سے ایک گروہ اپنے مخالفین سے حق کے لئے جنگ جاری رکھے گا یہاں تک کہ بعد میں آنے والے دجال سے جنگ کریں گے۔

شعبۂ جہاد کے تسلسل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔

الجهاد ماض منذ بعثني الله إلى أن يقاتل آخر أمتي الدجال لا يبطله جور جائر ولا عدل عادل (۵۹)

جہاد اس روز سے جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا یہاں تک کہ میری امت کا آخری فرد دجال کے خلاف جنگ کرے گا۔ اسے نہ کوئی جابر حکمراں اور نہ ایک انصاف پسند حکمراں ختم کر سکے گا۔

جہاد کے علاوہ ہجرت کا ادارہ حج سے بھی قریبی تعلق رکھتا ہے۔ ان دونوں میں بہت سی مشابہتیں ہیں۔ دونوں اسلامی جذبۂ عالمگیریت کے مظاہر ہیں اور دونوں اسلامی نظریئے کے تحت مقرر کردہ جذبۂ قربانی کا مربوط اظہار ہیں۔ اسی طرح جہاد بھی قربانی اور عالمگیریت کے شعور کی علامت بنا ہے۔ متعدد مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے حج اور جہاد کی مماثلت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے کچھ ارشادات یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

نعم الجهاد الحج (۶۰)

حج کس قدر عمدہ جہاد ہے۔

الحج جهاد كل ضعيف (۶۱)

حج ہر ضعیف کے لئے (ایک قسم کا) جہاد ہے۔

جهاد الكبير والضعيف والمرأة الحج والعمرة (۶۲)

بوڑھے، کمزور اور عورتوں کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔

النفقة في الحج كالنفقة في سبيل الله (۶۳)

حج کے اخراجات اللہ کی راہ میں کئے ہوئے خرچ کی مانند ہیں۔

ایک اور بڑی مشابہت ہجرت اور جہاد میں وہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے خود ہی اشارہ فرمادیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کی بیان کردہ ایک حدیث کے معنی کے مطابق تین چیزوں کے بارے میں تین بڑی ترغیبات پیش آتی ہیں۔

۱۔ جب کوئی اسلام قبول کرتا تو یہ دو چیزوں کے بارے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے۔ اپنے باپ دادا کے عقیدے کو کیسے چھوڑے اور کس طرح پوری دنیا کی مخالفت کا مقابلہ کرے۔

۲۔ جب کوئی ہجرت کرتا ہے تو اسے اپنے وطن، خاندان اور قبیلے کی رغبت اپنی طرف کھینچتی ہے۔

۳۔اور جب کوئی شخص جہاد کے لئے نکلتا ہے تو ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے اور اپنے کنبے کے انجام کے بارے میں سوچتا ہے، تو وہ تامل کرتا ہے کہ وہ کس طرح جان و مال کی قربانی دے اور اس کے بیوی بچوں کا اس کی موت کے بعد کیا حشر ہوگا۔حدیث کا متن نیچے درج کیا گیا ہے۔

عن سبرة بن أبي فاكه رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إن الشيطان قعد لابن آدم بأطرقه فقعد له بطريق الاسلام فقال له أتسلم و تذر دينک و دين آبائک و آباء أبيک قال فعصاه فأسلم ثم قعد له بطريق الهجرة فقال أتهاجر و تذر أرضک و سماء ک و انما مثل المهاجر کمثل الفرس في الطول قال فعصاه فهاجر قال ثم قعد له بطريق الجهاد فقال له هو جهد النفس و المال فتقاتل فتقتل فتنكح المرأة و يقسم المال قال فعصاه فجاهد فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن فعل ذلک منهم فمات كان حقا على الله أن يدخله الجنة او قتل كان حقا على الله عزوجل أن يدخله الجنة و إن غرق كان حقا على الله أن يدخله الجنة أو و قصته دابته كان حقا على الله أن يدخله الجنة (۶۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان ابن آدم کی راہ میں کئی طریقوں سے حائل ہوتا ہے۔ اس سے کہتا ہے کہ کیا تو مسلمان ہو رہا ہے اور اپنا، اپنے آبا کا اور اپنے باپ کے آبا کا دین چھوڑ رہا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا اس نے اس کے خلاف کام کیا اور اسلام قبول کرلیا۔ پھر وہ (شیطان) اس کی ہجرت کی راہ میں رکاوٹ بنا اور اس سے پوچھا کیا تو ہجرت کر رہا ہے اور اپنی زمین و آسمان چھوڑ رہا ہے؟ بلاشبہ مہاجر کی مثال تو لگام لگے سدھے ہوئے گھوڑے کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس نے اسے (شیطان کو) دھتکار کر ہجرت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر وہ اس کے جہاد کے راستے میں بیٹھا پھر اس سے کہا کہ جہاد جان و مال کا زیاں ہے، اگر تو نے قتال کیا اور تو مارا گیا تو پھر وہ تیری عورتوں سے نکاح کرلیں گے اور تیرا مال بانٹ لیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا اس نے شیطان کے کہے کے خلاف جہاد کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بھی ان (مسلمانوں) میں سے ایسا کیا اور مر گیا تو اس کو جنت میں داخل کرنا اللہ کے ذمے، یا پھر اگر وہ قتل ہوگیا تو اللہ

عزوجل اسے جنت میں داخل کرے گا، اور اگر وہ غرق ہو گیا تو بھی اس کا حق ہے کہ اللہ اسے جنت میں داخل کرے، یا اسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا تو بھی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے۔

یہ جہاد اور ہجرت کی مماثلتیں تھیں۔ دونوں کا باہمی قریبی تعلق درج بالا احادیث سے واضح ہوتا ہے۔ اسلامی علوم کے ایک جدید عالم کہتے ہیں کہ جہاد اور ہجرت دونوں مسلمانوں کے اندر روحانی حرکت اور دینی جوش و جذبے کا تعین کرنے والا تھرمامیٹر ہے۔ ایک مسلمان حالات کو جوں کا توں رکھنے پر کبھی مطمئن نہیں ہوتا وہ یا تو جہاد جاری رکھتا ہے یا پھر اس کا متبادل ہجرت۔ اگر وہ ان دونوں میں سے کوئی اقدام نہیں کرتا تو عقبیٰ میں سخت سزا بھگتے گا۔

قرآن کے الفاظ میں ایسے لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ (۶۵)

بے شک وہ لوگ کہ روح قبض کریں گے ان کی فرشتے، اس حال میں کہ وہ ظلم کر رہے تھے اپنی جانوں پر۔ پوچھیں گے ان سے فرشتے، تم کیا کرتے رہے۔ وہ کہیں گے ہم اپنی سرزمین میں کمزور و بے بس تھے۔ فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم ہجرت کر جاتے اس میں۔ سو یہی وہ لوگ ہیں کہ ٹھکانا ہے ان کا جہنم اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

ہجرت عفو عام اور خیر خلق کی زندہ علامت

پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی شہر مکے میں پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنا بچپن، جوانی، تین دہائیاں اپنی ازدواجی زندگی کی اور تیرہ سال اپنے مشنری اور پیغمبرانہ منصب کے وہاں گزارے۔ مکہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے دور سے عربوں کا مذہبی مرکز رہ چکا تھا۔ اسلام کے بعد یہ اسلامی دنیا کا مرکز رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی مکے کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔ آپ کی اس کے لئے گہری محبت ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے جو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے وقت فرمائے تھے!

واللہ إنک لخیر أرض اللہ وأحب أرض اللہ الی اللہ ولولا أنی أخرجت منک

ماخرجت (٦٦)

اے مکہ! اللہ کی قسم تو بلاشبہ اللہ کی سب سے اچھی زمین اور اس کی خاص پسند کی مٹی ہے۔ اگر مجھے تجھ سے جدا ہونے پر مجبور نہ کر دیا گیا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔

آپ کے صحابہ کرامؓ کے جذبات بھی ایسے ہی تھے۔ حضرت بلالؓ اکثر شہر مکہ کے لئے اپنی جذباتی محبت کا ان مشہور مصرعوں میں ذکر کیا کرتے تھے۔

ألا لیـــت شــعـــری هــل أبیتــن لیـــلة

بـــواد و حـــولـــی إذخـــر و جـــلیـــل

وهـــل أردن یـــومـــا میـــاه مـــجـــنة

وهـــل یبـــدون لـــی شـــامة و طـــفیـــل (٦٧)

لگتا تو نہیں کہ میں کبھی ایک رات اس وادی میں بسر کر پاؤں گا، جہاں پھول کھلتے ہیں اذخیر اور جلیل کے، اور کبھی میرا گزر آب رواں مجنہ پر ہو بھی سکے گا اور کبھی میں شامہ اور طَفِیل کے پہاڑوں کا نظارہ بھی کر سکوں گا۔

مکہ مکرمہ کے ساتھ یہ جذباتی لگاؤ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا حب الٰہی کے سامنے سپر انداز ہونے میں مانع نہ ہو سکا۔ اللہ کے لئے یہ قطعاً ناممکن نہ تھا کہ سارے کے سارے مکہ والوں کو اسلام کے جلو میں لے لیتا اور مکہ کو اسلامی مملکت کا گہوارہ بنا دیتا۔ لیکن مشیتِ الٰہی انسانوں کی تمام علاقائی وابستگیوں کو ختم کرنے کی متقاضی تھی، اس لئے مدینہ منورہ کو اسلام کے منظم معاشرے کے مرکز کی حیثیت سے منتخب فرمایا۔

کسی مخصوص ملک یا زمین سے انتہا سے زیادہ لگاؤ اسلام کی روح کے منافی ہے۔ گو کہ انسان کی سرشت میں ہے کہ وہ اپنے وطن سے محبت کرتا ہے اور اس کی حفاظت اور بھلائی کے لئے سب کچھ کر گزرتا ہے، اس کے باوجود اسلام اسے معاشرتی یا سیاسی فلسفے کی بنیاد کے طور پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ قرآن کے مطابق نسل، قبیلے اور علاقائی یگانگت کا مقصد صرف ایک دوسرے کی شناخت ہے نہ کہ باہم نفرت۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ O (٦٨)

اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، پھر ہم نے قومیں اور قبیلے

بنائے تا کہ تم کو ایک دوسرے سے پہچانا جائے۔ بلاشبہ تم میں زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ ہر بات کا جاننے والا ہے اور پوری طرح باخبر ہے۔

ایک سچا مسلمان علاقائی یا لسانی تعلق کو صرف اپنے آپ کو دوسرے سے متعارف کرانے کے ایک ذریعے کے طور پر جانتا ہے، اس سے زیادہ نہیں یہاں کعب ابن ظہیرؓ کا واقعہ ہمارے تصور کی مناسب طور پر تصدیق کردے گا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں عرب کے سب سے اچھے شعرا میں سے تھا۔ مشرکین مکہ کا کٹر حمایتی ہونے کی وجہ سے وہ اپنی شاعرانہ صلاحیت کو رسول اللہ ﷺ کے جذبات کو مجروح کرنے میں استعمال کرتا تھا۔ جب سن ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ کعب کو منظر عام میں قتل کیا جائے لیکن اس کے بھائی نے رسول اللہ ﷺ سے کعب کی سفارش کی۔ آپ نے اسے معافی دے دی اور اسے اپنے سامنے بلوایا۔ کعب رسول اللہ کے پاس آیا۔ آپ نے اسے عزت اور شفقت سے خوش آمدید کہا۔ اس موقع پر کعب نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ پیش کیا۔ اس کا ایک شعر نقل ہے۔

إِنَّ الرَّسُوْلَ ﷺ لَنُوْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ
مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ الهند مَسْلُوْلٌ (۶۹)

بلاشبہ پیغمبر ﷺ ایک نور ہیں جس سے ضیاباری ہوتی ہے۔ آپ ہند کی ایک تنی ہوئی تلوار ہیں۔

یہ ذہن میں رہے کہ ہند کی بنی ہوئی تلواریں عرب میں سب سے اچھی تصور کی جاتی تھیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ٹوکا اور اس خیال سے کہ کسی زمین سے اسے متعلق کیا جائے، ناپسند فرمایا، آپ نے مصرع میں اس طرح ترمیم فرمائی۔

سیف من سیوف اللہ مسلول

وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تنی ہوئی تلوار ہیں۔

تاریخ اس کی شاہد ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ علاقائی وابستگی کبھی مسئلہ نہیں رہی۔ نظریاتی اور دوسرے تنازعات کبھی کبھی علاقائی جذبات کی سمت بہہ نکلتے ہیں، لیکن کبھی بھی جغرافیائی عنصر مسلمانوں کے علاقوں میں باہمی جدل میں شامل نہیں رہا۔ قومی بنیادوں پر لڑی جانے والی جنگیں بیسویں صدی کا انوکھا

وقوعہ ہیں۔ ایک مسلمان کسی طرح لسانی اور معاشرتی تناظر میں ایک قطعۂ زمین کو دوسرے پر فوقیت دے سکتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ساری زمین کو مسلمانوں کیلئے جائے عبادت قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمین میرے لئے مسجد بنادی گئی ہے(۷۰)۔ یہ چیز مسلمانوں کی نگاہ میں ساری زمین کو یکساں بنادیتی ہے۔

ہر ملک ملک ما است
کہ ملک خدائے ماست

ہر ملک ہمارا ملک ہے کیونکہ یہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔

ہجرت نے قومی عصبیت کے بت کو پاش پاش کردیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کھلے طور پر قومیت کی بنیاد پر قائم تمام طبقات کی مذمت کی ہے اور اسے رد فرمادیا ہے۔ آپ ﷺ کے لئے انسانی اور نفسیاتی نسبتیں نظریاتی اور روحانی نوعیت کی تھیں۔ پیغمبر علیہ السلام نے ایران کے سلمانؓ، روم کے صہیبؓ، یمن کے طفیل ابن عمروؓ اور مؤذن بلالؓ (سوڈان کے نوبا پہاڑ کے علاقے کے) کو مواخات میں قبول فرمایا اور مکے کے ابوجہل اور یہاں تک کہ اپنے حقیقی چچا ابولہب کو مسترد کردیا۔ اگر پیغمبر ﷺ کا مطمحِ نظر ایک عرب قومی اتحاد قائم کرنا ہوتا تو آپ ﷺ ابولہب، ابوجہل، عقبہ اور ولید کو اپنے مجوزہ منصوبے میں قبول کرلیتے اور پھر ایسی صورت میں بلالؓ اور صہیبؓ میں دلچسپی ظاہر نہ فرماتے۔

مکہ کے مشرکین نے بے شک رسول اللہ ﷺ کو ایسی تجاویز پیش کرنا شروع کردی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی سیرت نگار ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ ایک بار مکے کی مشرک اشرافیہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس طرح کا معاہدہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ابوسفیان کے سسر عقبہ ابن ربیعہ کو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مذاکرات کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے رسول اللہ کو بہت سی تجاویز پیش کیں۔ جن میں آپ ﷺ کو غیر متنازع بادشاہ تسلیم کرنے کی تجویز بھی شامل تھی، بہ شرطیکہ آپ اپنی تبلیغ میں ان کی طرف سے تجویز کردہ ترامیم کرلیں، لیکن آپ ﷺ نے صاف طور پر اس تجویز کو مسترد کردیا۔(۷۱)

بعد کے ایک مرحلے پر انہوں نے آپ کے چچا ابوطالب سے کہا کہ وہ اپنے بھتیجے سے کہ دیں کہ وہ ﷺ نسل پرستی اور بت پرستی کی برملا اور پرزور مذمت نہ کریں۔ لیکن رسول اللہ نے اس بکواس کو بھی رد کردیا اور اپنے تاریخی فیصلے کا اعلان کردیا۔

والله لو وضعوا الشمس في يميني والقمر في يساري على أن أترك هذا الأمر حتى يظهره الله أو أهلك فيه ما تركته (۷۲)

اللہ کی قسم اگر وہ میرے سیدھے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں (یعنی تمام فطری قوتیں میرے قبضے میں دے دیں) تاکہ میں تبلیغ چھوڑ دوں، میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ مجھے غالب کردے یا پھر میں اس راہ میں اپنی جان دے دوں۔

رسول اللہ ﷺ جغرافیائی، نسلی اور لسانی عصبیتوں یا کسی بھی قسم کی قومیت پرستی کی معمولی سی بھی اجازت پھر کس طرح دے سکتے تھے۔ اسلام میں ذہنی ربط کا مدار نظریہ، حسن عمل اور روحانی بنیادوں پر مقرر کیا گیا ہے۔ اسلام کو حب الوطنی صرف اپنی فطری شکل میں قبول ہے۔ لیکن اگر یہ اپنی فطری اور متوازن حدود سے تجاوز کرتی ہے تو اس کا اسلامی نظریاتی اقدار سے تصادم ناگزیر ہوگا۔ جب حب الوطنی تنگ نظری پر مبنی اور غیر انسانی کردار اختیار کرلیتی ہے تو یہ اسلامی نقطہ نگاہ سے غیر صحت مند اور قابل مذمت ہوجاتی ہے۔

اسلام جس کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہے وہی اس کی سیاسی تنظیم کے ڈھانچے کا اصل الاصول نہیں بن سکتا۔ یہ حقیقت کہ رسول اللہ ﷺ جس جگہ کامیاب ہوئے اور جہاں آپ نے وفات پائی وہ آپ کی جائے پیدائش نہ تھی، غالباً اس بارے میں یہ ایک رمزیہ اشارہ ہے۔

نسلی امتیاز

ہجرت کے ادارے نے نسلی امتیاز کو بھی اس کے منطقی انجام تک پہنچادیا۔ قریش کے رہنما حضرت حمزہ، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسوں نے اپنے اہل وعیال کو مسترد کردیا اور اپنے آپ کو ان سے متعلق کرلیا جن کو قریش حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انصار بھی قریش کے ہم پلہ نہیں سمجھے جاتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین قریش نے اوس اور خزرج کے مسلمانوں سے لڑنے سے انکار کردیا تھا اور مطالبہ کیا تھا کہ خون اور نسل میں ان کے ہم پلہ ان سے لڑنے کے لئے نکلیں۔

نسلی امتیاز کے تابوت میں آخری کیل مواخات نے، جو رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ہجرت کے فوراً بعد قائم کی تھی، ٹھونک دی۔ ہر مکی مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنادیا تھا۔ اس

بھائی چارے کی اہمیت اس ماحول میں مزید بڑھ گئی جہاں یہ بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا وہ ماحول کلی طور پر قبائلی تھا جہاں لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ ہجرت اور اس کا تکملہ مواخات دونوں، جسے بدقسمتی سے بعد کے مسلمان ایک ادارے میں تبدیل نہ کر سکے، ایک امت کو وجود میں لائے، جس کے لئے خون اور نسل کے رشتے بالکل کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ جب سلمان فارسیؓ سے ان کے خاندانی پس منظر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا ''میں ہوں سلمان بن اسلام''۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

أبــي الإســلام لا أب لــي ســواه

إذا فتــخــروا بــقيــس أو تــمــيـم (۷۳)

میرا باپ اسلام ہے میرا کوئی اور باپ نہ ہوگا سوائے اسلام کے، جب کہ لوگ فخر کرتے ہیں (قبیلوں کی نسبت سے) قیس یا تمیم پر۔

ہجرت نے جو ماحول خون اور نسل کے رشتوں کے خلاف پیدا کر دیا تھا، اس کا اندازہ دو واقعات سے بہ خوبی ہوتا ہے۔ ابوعزیز بن عمیر ایک مکی تاجر ایک جنگ میں مسلمانوں کے ذریعے بنائے گئے قیدیوں میں سے تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی مصعب بن عمیرؓ کا بھائی تھا۔ ابوعزیز کو ابی یسر الانصاری کی سپردگی میں دیا گیا تھا۔ مصعبؓ نے ابی یسر سے کہا کہ اس کو مضبوطی سے باندھو، اس کی ماں بہت امیر ہے وہ بیت المال کے لئے اچھا فدیہ دے گی۔ ان کے قیدی بھائی نے سنا اور سرد آہ بھر کر کہا ''کیا یہی بھائی بندی ہے؟'' مصعبؓ نے جواب دیا ''تم اب میرے بھائی نہیں ہو، اب تو یہ مدینے والے میرے بھائی ہیں۔'' (۷۴)

دوسرا واقعہ حضرت عمر ابن الخطابؓ سے متعلق ہے۔ غزوہ بدر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی مجلس شوریٰ کے اپنے قریبی معتمد صحابہ کا اجلاس طلب کیا۔ آپ نے ان کے سامنے بدر کے قیدیوں کا مسئلہ رکھا۔ مختلف صحابہ نے ان قیدیوں کو جو مہاجرین کے قریبی عزیز تھے، نمٹانے کے لئے مختلف مشورے دیئے، لیکن چونکہ وہ (قیدی) کفر کے نمائندے تھے لہٰذا کہا گیا کہ ان سب کے سر قلم کر دیئے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے مزید یہ تجویز پیش کی ہر مہاجر اپنے عزیز ترین قیدی کو قتل کرے تاکہ خون اور نسل کی تمام دنیاوی نسبتیں ختم ہو جائیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں ان کا ایک قریبی خونی رشتے دار قیدی دیا جائے تاکہ وہ خود اس کا سر قلم کریں۔

یہ کوئی جوشیلا پن یا پاگل پن کا مظاہرہ نہ تھا۔ صحابہ کو بامر واقعہ یقین تھا کہ نسلی عصبیت عالم گیر معاشرے کے قیام میں ایک بڑی رکاوٹ تھی اور جب تک اس کا استیصال نہ کیا جائے اعلیٰ مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ نسل اور خون کے رشتے ایسی مادی غیر معمولی شئے ہے جو ایک پائیدار روحانی اور عالم گیر تنظیم میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے کہا:

برنسب نازاں شدن نادانی است
حکم او اندر تن وتن آسانی است

خاندانی پس منظر پر ناز کرنا محض بے وقوفی ہے، کیونکہ اس کا تعلق تو جسم سے ہے جبکہ جسم تو فانی ہے۔

اقبال نے اس موضوع پر دونوں نثر اور نظم میں پر از معلومات بہت کچھ لکھا ہے۔ ہم یہاں ایک خوبصورت رباعی ''پیامِ مشرق'' سے نقل کرتے ہیں۔

تو اے کو دک منش خود را ادب کن
مسلماں زادۂ ترکِ نسب کن
پوست برنگِ احمر وخون ورگ وبوست
عرب نازد اگر ترکِ عرب کن

بچے کی طرح آدمی خود اپنی عزت کرائے، اور مسلمان ہونے کے ناطے اپنے خاندانی پس منظر کے بارے میں سوچنا چھوڑ دے۔ اگر ایک عرب اپنی نسل، رنگ اور خون پر ناز کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ عربستان ہی کو چھوڑ دے۔

ہجرت کی اصل روح

ہجرت کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کے بعد، اب ہمیں چاہئے کہ ہجرت کی اصل روح کا مجملاً بیان کریں۔ ذیل میں وہ خاص نکات، جو ہجرت کے فلسفے اور پیغام کی اساس ہیں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ قربانی (ایثار)

۲۔ اخلاص

۳۔ روحانی تزکیہ

۴۔ ظلم و جبر کو تحمل کے ساتھ برداشت کرنا

۵۔ نظریہ خیر خلق

قربانی کی روح

جذبۂ قربانی ہجرت کے سارے تصور کو سیراب کرتا ہے۔ ذخیرۂ احادیث بہ کثرت مثالیں پیش کرتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے کس طرح اپنی جانوں، دولت، جائیداد اور یہاں تک کہ غیرت کی بازی لگادی۔ اپنی قربانیوں کا حوالہ دیتے ہوئے ایک صحابی اپنے جذبات کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

ترکت أهلی و مالی مهاجرا إلى الله (۷۵)

میں نے اپنے اہل وعیال اور مال و دولت اللہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے چھوڑ دیئے۔

اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہجرت کبھی کسی زمین کی طرف نہیں کی جاتی، یہ بلاشبہ اللہ کی طرف کی جاتی ہے۔ اس کی بنیاد روحانی ہے نہ کہ مادی۔ ہم یہاں چند احادیث بیان کرتے ہیں جو ظاہر کریں گی کہ صحابہ کرامؓ نے مادی تعلقات کو اللہ کی راہ میں کس طرح قربان کر دیا تھا۔

مصعب ابن عمیرؓ مکے کے ایک تاجر تھے۔ ہجرت کرتے ہوئے اپنی ساری دولت اور اسباب کو پیچھے چھوڑا اور مدینہ منورہ پہنچے جہاں تین سال بعد غزوہ احد میں شہید ہوگئے۔ کس کسمپرسی میں انہوں نے اپنے آخری دن بتائے، نیچے درج حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

عن خباب رضی الله عنه قال هاجرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم نبتغى وجه الله تبارك و تعالى فوجب أجرنا على الله عزوجل فمنا من مضى لم يأكل من أجره شيئا منهم مصعب بن عمير رضى الله عنه قتل يوم أحد فلم نجد (فى رواية : فلم يترك) شيئا نكفنه فيه إلا نمرة كنا إذا غطينا بها رأسه خرجت رجلاه وإذا غطينا رجليه خرج رأسه فأمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نغطى بها رأسه و نجعل على رجليه إذخرا (۷۶)

خبابؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہجرت کی، اس طرح ہمارا اجر اللہ تعالیٰ پر واجب ہوگیا۔ ہم میں سے کچھ ایسے تھے جن کا انتقال ہوگیا اور وہ اپنا اجر (اس دنیا میں) نہ پا سکے۔ مصعب بن

عمیرؓ ان میں سے ایک تھے۔ وہ احد میں شہید ہوگئے۔ ہمارے پاس ایک کپڑے کے ٹکڑے کے سوا کچھ نہ تھا، (ایک روایت کے مطابق انہوں نے کوئی چیز نہ چھوڑی تھی) کہ ہم انہیں اس سے کفناتے۔ جب ہم اس سے ان کے سر کو ڈھانپتے تو ان کے دونوں پیر کھل جاتے اور جب ہم ان کے پیروں کو ڈھانپتے تو ان کا سر نکل جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر ہمیں حکم دیا کہ اس سے ان کے سر کو ڈھانک دو اور ان کے پیروں پر اذخیر گھاس ڈال دو۔

قربانی کی یہ مثالیں ایسی ہی تھیں جو صحابہ کرامؓ نے، جو تاریخ اسلام میں پہلے مہاجر تھے، قائم کی تھیں کہ بعد میں آنے والے مہاجرین کے لئے نمونہ بنیں۔ ایک اور مثال نیچے دی جاتی ہے۔

ایک تاریخ داں ایک مسلمان ہجرت کر جانے والے کے مکے میں خستہ حال مکان کے بارے میں ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

عن إبن اسحاق قال: قدم المدينة بعد عامر بن ربيعة عبدالله بن جحش و كانت عنده الفارعة بنت أبي سفيان فغلقت دار بني جحش فمر بهاعتبة بن ربيعة والعباس بن عبدالمطلب وأبوجهل بن هشام بن المغيرة وهي دار أبان بن عثمان رضي الله عنهما اليوم التي بالردم وهم مصعدون إلى أعلى مكة فنظر اليها عتبة بن ربيعة تخفق أبوابها ليس فيها ساكن فلما رآها تصفر الريح بين جنباتها ثم قال

وكل دارولو طالت سلامتها
يوما ستدركها النكباء والحوب (۷۷)

ایک بار عتبہ، عباس اور ابوجہل عامر ابن ربیعہ کے، جو اپنے بیوی اور اپنے بھائی احمد، جو نابینا تھے، کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کر چکے تھے، چھوڑے ہوئے مکان کے پاس سے گزرے، عتبہ نے ان کے مکان کو، کھلے دروازوں اور بغیر کسی مکین کے دیکھا۔ جب اس نے دیکھا کہ صرف ایک ہوا تھی جو مکان میں سیٹی بجاتی تھی تو اس نے یہ (شعر) پڑھا کہ ہر مکان خواہ کتنا ہی ایک عرصے تک پر سکون رہا ہو، ایک دن بربادی ضرور دیکھے گا۔

اخلاص

ہجرت ایک مسلمان کا اپنے مشن سے لگاؤ کا امتحان ہے۔ اخلاص مقصد کی حقانیت کا فطری نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر اپنے مشن کی سچائی پر آپ کا یقین پختہ ہے تو فطرتاً آپ اس کے ساتھ پرخلوص ہوں گے۔ یقین کا پیمانہ ہمیشہ اخلاص کے پیمانے کا تعین کرتا ہے یا پھر اس کے برعکس ہوتا ہے (یعنی جتنی کی یقین میں ہوگی اتنی ہی اخلاص میں)۔

ایک مشہور حدیث میں حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا!

انما الأعمال بالنیات و انما لکل امری ما نوی فمن کانت ھجرتہ إلی اللہ ورسولہ فھجرتہ إلی اللہ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم و من کانت ھجرتہ الی لدنیا یصبیھا أو امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ إلی ماھاجر إلیہ (۷۸)

بے شک تمام اعمال کی بنیاد نیت پر ہے۔ ہر شخص وہ کچھ پائے گا جس کے لئے اس نے نیت کی تھی۔ اس لئے اگر کسی نے (درحقیقت) اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی تھی تو (سمجھی جائے گی) اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔ اور اگر کسی نے ہجرت دنیاوی مفادات یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے کی تو یقیناً وہی سمجھا جائے گا جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔

اگر ایک مومن پورے یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہجرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر ایک خاص قسم کا سکون (سکینہ) نازل کر دیتا ہے۔ جب حضرت ابوبکر الصدیقؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کر رہے تھے تو ان کا دل حزن و ملال سے مغلوب ہوگیا۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ کہتے ہوئے تسلی دی۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ (۷۹)

غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے ان کے قلب پر سکینت نازل کی۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو روحانی قوت حاصل ہوگئی۔ علامہ ہروی کے مطابق سکینہ ایک روحانی تجربہ ہے جو تین کیفیات پر مشتمل ہے، نور (روشنی) قوت (طاقت) اور روح۔ نور ایک ایسی کیفیت ہے جو ایک مومن کے دل کو منور کر دیتا ہے جس سے وہ ایمان کی حقیقی حلاوت حاصل کر لیتا ہے اور ہر قسم کے شکوک

وشبہات اس کے دل سے فنا ہو جاتے ہیں۔قوت (طاقت) ایک ایسی توانائی ہے جو اسے قلب کے ساتھ راہِ حق میں درپیش تمام مشکلات کو مردانہ وار جھیلنے کے قابل بنا دیتی ہے جبکہ روح اس کے قلب کو ایک الوہی زندگی، وجدان وطمانیت بخشتی ہے۔ (۸۰)

روحانی تزکیہ

ہجرت ایک مسلمان کے روحانی تزکیے کا ایک بڑا معاون عنصر ہے۔یہ اس کے دل کی ہر برائی سے حفاظت کرتی ہے۔اور وہ نہایت احتیاط سے سوچتا اور عمل کرتا ہے۔جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے تمام مادی رشتے منقطع کرلیتا ہے تو اسے ایک خاص نفسیاتی آہنگی کی ضرورت مستقل مزاجی اور مضبوطی سے جمے رہنے کی ہوتی ہے۔اور اگر وہ برے اطوار کو ترک نہیں کرتا تو جہاں تک کہ مطلوبہ نتائج کا تعلق ہے اس کی ہجرت بے مقصد ثابت ہوتی ہے۔ہم اس ضمن میں کچھ احادیث نقل کرتے ہیں۔

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال: جاء أعرابی ملوی جری ء إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یارسول اللہ أخبرنا عن الھجرۃ إلیک أینما کنت أو لقوم خاصۃ أم إلی أرض معلومۃ؟ أم إذا مت انقطعت؟ قال: فسکت عنہ یسیرا ثم قال: أین السائل؟ قال: ھاھوا ذا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الھجرۃ أن تھجر الفواحش ما ظھر منھا وما بطن و تقیم الصلاۃ و تؤتی الزکاۃ ثم أنت مھاجر و إن مت بالحضر (۸۱)

عبداللہ ابن عمرو ابن العاص روایت کرتے ہیں کہ ایک اوڑھا لپٹا چرب زبان بدو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ہمیں ہجرت کے بارے میں بتائیے۔کیا یہ آپ کی طرف کی جاتی ہے جہاں بھی آپ ہوں؟ یا کسی مخصوص قوم کی طرف؟ یا کسی خاص زمین کی طرف؟ اور کیا یہ آپ کی وفات کے بعد ختم ہو جائے گی؟ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا، ''کہاں ہے وہ شخص جس نے سوالات کئے تھے؟ اس نے کہا اے اللہ کے رسول وہ میں تھا! رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا ہجرت کا تقاضا ہے کہ تو سارے فواحش کو خواہ وہ ظاہری ہوں یا چھپے ہوئے، ترک کردے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے (اگر تو نے ایسا کیا) تو تو مہاجر ہے خواہ تیری

موت تیرے ہی شہر میں ہوئی ہو۔

دوسری حدیث مزید واضح ہے:

قال رجل یارسول الله صلی الله علیه وسلم أی الهجرة أفضل قال أن تهجر ما کره ربک والهجرة هجرتان هجرة الحاضر والبادی فهجرة البادی أن یجیب اذا دعی و یطیع إذا أمر والحاضر أعظمهما بلیة وأفضلهما أجرا (۸۲)

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کون سی ہجرت سب سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ یہ تو وہ سب کچھ چھوڑ دے جسے تیرا رب ناپسند کرتا ہے۔ ہجرت دو قسم کی ہے۔ اس شخص کی ہجرت جو حقیقتاً اسلام کے شہر کی طرف ہجرت کرتا ہے، اور بادیہ نشین کی ہجرت (جو شہر میں رہنا پسند نہیں کرتا) بادیہ نشین کی ہجرت یہ ہے کہ جب اسے بلایا جائے تو وہ حاضر ہو اور اسے جو حکم دیا جائے وہ اس کی تعمیل کرے۔ لیکن پہلے والے یعنی حاضر کی آزمائش بھی کڑی ہے اور اجر بھی عظیم ہے۔

نیچے والی مختصر حدیث اُس سب کا نچوڑ ہے جو پہلے تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

المهاجر من هجرا السؤ فاجتنبه (۸۳)

حقیقی مہاجر وہی ہے جو برائی کو ترک کردے اور پھر اس سے ہمیشہ بچتا رہے۔

مگر یہ واضح ہونا چاہئے کہ مادی اور دنیاوی تعلقات سے اجتناب کا مطلب ذمے داریوں سے فرار نہیں ہے۔ ہجرت فرائض سے پہلو تہی کرنے کا نام نہیں ہے۔ نیچے درج حدیث ہجرت کے اس اہم پہلو پر روشنی ڈالتی ہے۔

جاء رجل إلی النبی صلی الله علیه وسلم یبایعه قال جِئتُ لأبایعک علی الهجرة و ترکت أبوی یبکیان قال فارجع إلیهما فَاَضحَکمُ کما ابکیتهما (۸۴)

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ سے بیعت کی اور کہا کہ میں آپ سے ہجرت پر بیعت کرنے آیا ہوں اور میں نے اپنے ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کے پاس جاؤ اور انہیں ہنساؤ جیسا کہ تم نے انہیں رلایا تھا۔

ایک دوسری حدیث اس پہلو کو مزید اجاگر کرتی ہے۔

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ أن أعرابیا أتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن لی إبلا وانی أرید الھجرۃ فما تأمرنی؟ قال: ھل تمنح منھا؟ قال: نعم قال: و تؤدی زکاتھا؟ قال: نعم، قال: و تحلیھا یوم وردھا؟ قال: نعم فقال: انطلق واعمل وراء البحار فان اللہ لن یترک من عملک شیئا و إن شان الھجرۃ شدید (۸۵)

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس اونٹ ہیں اور میں ہجرت کرنا چاہتا ہوں۔ میرے لئے کیا حکم ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ''کیا تو ان میں سے لوگوں کو کچھ دیتا ہے'' اس نے کہا ''ہاں!'' آپ نے پھر دریافت فرمایا ''کیا تو باقاعدگی سے ان کا دودھ دوہتا ہے؟ اس نے کہا ''جی ہاں''۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ جا، خواہ تو سمندر پار کام کرے، اللہ تعالیٰ تیرے (اچھے اعمال میں کچھ بھی خسارہ نہیں کرے گا۔) البتہ یہ یاد رکھ کہ ہجرت کی شرائط سخت ہیں۔

انہی احادیث کی روشنی میں مسلمان علماء نے ہجرت کے دو پہلو بیان کئے ہیں۔

۱۔ ظاہری

۲۔ باطنی

ان دونو پہلوؤں پر تبصرہ کرتے ہوئے معروف محدث حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں

فالباطنۃ ترک ما تدعوا إلیہ النفس الامارۃ بالسوء والشیطان والظاھرۃ الفرار بالدین من الفتن و کأن المھاجرین خوطبوا بذلک لئلا یتکلوا علی مجرد التحول من دارھم حتی یمتثلوا أوامر الشرع و نواھیہ (۸۶)

باطنی ہجرت کے معنی تمام نفسانی اور شیطانی ترغیبات سے اجتناب ہے۔ ظاہری ہجرت فتنوں اور مفاسد سے دین کو بچانے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی ہے، مہاجرین نے بیان کی ہوئی احادیث سے ہدایت حاصل کی کہ وہ محض خارجی تحاریک پر تکیہ نہ کریں بلکہ شریعت کے اوامر اور نواہی کی پیروی کریں۔

خیر خلق

عالم گیریت اور ہجرت کا ایک دوسرے سے بہت قریبی تعلق ہے۔ اسلام دین (ضابطہ حیات) ہے جس کو تمام بنی نوع انسان کو قبول کرنا، اُس پر عمل پیرا ہونا اور اس کو نافذ کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کو رحمت العالمین بنا کر بھیجا گیا تھا آپ کا فریضہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کو ان کی ان ذمے داریوں سے آگاہ کریں جو اللہ تعالیٰ اور دیگر انسانوں کے ساتھ تعلق کے سلسلے میں ان پر عائد ہوتی ہیں۔

تَبَارَکَ الَّذی نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدہ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْراً O (۸۷)

پاک ہے وہ ذات جس نے فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والا) اپنے بندے پر نازل کیا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لوگوں کے لئے تنبیہ کا ذریعہ بنے۔

خیر کل خلق اور ہجرت کا باہمی تعلق مواخات (بھائی چارہ) کے نظام سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ مواخات اور ہجرت ایک دوسرے کا تکملہ ہیں۔ مواخات ہجرت کو مکمل کرتی ہے اور بے مثال اسلامی بھائی چارے کے رشتے کو مضبوط کرتی ہے۔ جو مثالی حد تک ساری انسانیت کا احاطہ کرتی ہے، اور جس کے نمائندے ہر قصبے، شہر اور ملک میں موجود ہیں۔ مواخات کے نظام کے بغیر ہجرت نامکمل اور بے ثمر ہے۔ ہجرت کو با مقصد بنانے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اس کے بعد مواخات قائم کی جائے۔ یعنی تمام بے سود اختلافات اور مذموم امتیازات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے اور امت کے ہر فرد میں ایک طاقت ور بھائی چارے، تعاون اور مساوات کی روح پھونک دی جائے۔

شاید انہیں خوبیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

لو لا الھجرۃ لکنت امرأ من الانصار (۸۸)

اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک فرد ہوتا۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قسطلانی کہتے ہیں۔

لو لا الھجرۃ لکنت امرأ من الأنصار أی لانتسبت إلی دارکم المدینۃ أو لتسمیت باسمکم وانتسبت إلیکم کما کانوا یتنابون بالحلف لکن خصوصیۃ الھجرۃ سبقت فمنعت من ذلک و ھی أعلی وأشرف فلا تتبدل بغیرھا (۸۹)

اگر ہجرت نہ ہوئی ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا (ان کے ایک فرد کی حیثیت سے) اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے آپ کو ان کے شہر مدینہ سے منسلک کر لیتے اور قبائلی اتحاد کے رواج کے مطابق ان کا (نسبتی نام) اختیار کر لیتے۔ لیکن ہجرت کا امتیاز سبقت لے گیا اور آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا کیونکہ ہجرت کا اعزاز بہت ارفع تھا اور اسے کسی دوسرے امتیاز سے بدلا نہیں جا سکتا تھا۔

ہجرت موجودہ دور میں

ایک مسلمان کے لئے ہجرت اپنے مکمل مفہوم کے شعور اور مبادیات کے ساتھ لازمی ہے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی (وفات ۵۴۳ھ، ۱۱۴۸ء) کہتے ہیں کہ ہجرت اب بھی مسلمانوں پر واجب ہے اور اُسی طرح ہمیشہ رہے گی جیسا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھی (۹۰)۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لازمی فریضہ آج کس طرح ادا کیا جائے۔ کیا ہم ان مسلمانوں سے جو غیر مسلم ممالک میں ایک اقلیت کی حیثیت سے رہ رہے ہیں کہیں کہ وہ مسلم ممالک میں ہجرت کر جائیں؟ اگر ہم ان سے ایسا کرنے کے لئے کہیں تو مسلم ممالک میں ایسی افراتفری مچے گی کہ وہ ممکنہ طور پر اسے حل نہ کر سکیں گے۔ آج کی مسلمان ریاستیں بھی حقیقی دارالاسلام نہیں ہیں جہاں کوئی ہجرت کرنے کا پابند ہو۔ ہجرت ایسے غیر مسلم ملک سے کی جاتی ہے، جہاں مسلمانوں کے لئے تبلیغ کا کوئی موقع اور اپنے عقائد پر عمل کرنے کا آزادانہ اختیار نہ ہو۔ کیا ہم نے غیر مسلم ممالک میں اپنی سی پوری کوشش کر لی ہے؟ درحقیقت نہ ہم نے اسلام کا پیغام پھیلانے کی زحمت گوارا کی ہے اور نہ ہی ہمیں کوئی اکثریت اور اقلیت کے مسائل درپیش ہیں۔

پہلے قدم کے طور پر ہم میں سے ہر ایک کو ہجرت جسمانی طور پر نہ سہی، اس کی روح اور پیغام کے تناظر میں کرنی چاہیے۔ آج مسلمانوں نے وطن پرستی کا مغربی تصور درآمد کر رکھا ہے اور ان میں مقصد کے ساتھ اخلاص اور جذبۂ قربانی کا بھی فقدان ہے۔ ہم اپنی مشکلات پر روحِ ہجرت کو از سرنو تازہ کر کے قابو پا سکتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں اسلام پر اس کے اصل مفہوم کے مطابق عقلی اور ثقافتی طور پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ ہم مسلم دنیا میں رہنے کے باوجود اسلام سے بہت دور اور غیر اسلامی عقائد اور طریقوں کے دل دادہ ہیں۔ ہمیں ثقافتی اور شعوری طور پر مغرب کی بالادستی مسترد کر دینی چاہیے۔ ہمیں اجتماعی زندگی کا متحد امت کی حیثیت سے شعور پروان چڑھانا چاہیے۔ ہم صرف روح ہجرت کو از سرنو زندہ کر کے ہی اس گم گشتہ

جنت کو حاصل کر سکتے ہیں۔

چونکہ ہجرت جہاد کا ایک مرحلہ ہے، اس لئے ایک عالم گیر، مقبول اور ہمہ جہتی جہادی تحریک ناگزیر ہے۔ ہجرت بہرصورت مقدم ہے اور جہاد بعد میں ہونا چاہئے۔ سب سے پہلے روحانی پھر جسمانی جہاد ہونا چاہئے۔ ہجرت کو ہر دو روحانی اور جسمانی جہاد پر سبقت زمانی حاصل رہنی چاہئے۔ جہاد کے بغیر ہجرت کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ اس لئے ایک پرزور اور طاقت ور جہاد کی تحریک اور تبلیغ (جو در حقیقت جہاد کی بنیادی شکل ہے) زور شور سے پوری دنیا میں پھیل جانی چاہئے، اور تمام غیر اسلامی تحاریک، اشتراکیت، صیہونیت، ہندو تجدید پسندیؑ، عیسائی مشنریز، مغربی دہریت اور آزاد خیالی، ذہنی ارتداد اور فراری ابالی پن (ہپی ازم) کو مزاحمت اور ایک طاقت ور اسلامی یورش کے ذریعے پسپا کیا جا سکتا ہے۔ کوئی تحریک محض نعرہ بازی اور مجلسی گفتگو سے اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتی۔ اس کا تدارک مزاحمتی تحریک ہی سے ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک کے ارشاد کے مطابق ہمیں حق حاصل ہے کہ:

فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ (۹۱)

اگر تم پر کوئی زیادتی کرے، تو تم بھی زیادتی کرو اس پر ویسی ہی جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔

ہم نے خود ہی مخالف قوتوں کے لئے ایک تحریکی خلا چھوڑ رکھا ہے۔ اگر ہم کوئی ایسی ہمہ جہتی متاثر کن تحریک کے اجرا کے قابل ہو جائیں تو کامیابی ہمارا مقدر ہوگی اور یہ پندرہویں صدی ہجری، ان شاء اللہ، عالمِ اسلام کی نشاۃ ثانیہ دیکھے گی، جیسا کہ پہلی صدی ہجری نے اس کا مشاہدہ کیا تھا۔ دریں صورت جسمانی ہجرت کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغرب اپنی دہریت اور مادہ پرستی ترک کر رہا ہے، کیونکہ سائنس نے روح اور مادے کی ثنویت کے واہمے کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔ دورِ جدید کے مغربی یورپ میں اکھاڑ پچھاڑ کے پس منظر میں اور کریملن کے اقتدارِ اعلیٰ کے بکھر جانے کے بعد اشتراکیت بھی اب رفتہ گزشتہ شئے ہو کر رہ گئی ہے۔ جہاں تک کہ چین، اشتراکیت کے ایک دوسرے جنبہ دار کا تعلق ہے، تو اُس نے خود بعد از ماؤ، اپنے موجودہ دور میں رجعی رویہ اختیار کر رکھا ہے۔

اگر ہم دنیا کے نئے منظر نامے کی باریک بینی کے ساتھ واقفیت بڑھا لیں تو ہمارے اندر ہجرت کا ایک تازہ جذبہ، ہمارے نفسیاتی اور سیاسی مفاد میں بیدار ہو جائے گا۔ اس سے امت کا اللہ کی مرضی سے مل کر ایک بار پھر دنیا کی مؤثر قوت بننا لازمی ہوگا۔ بلاشبہ جسمانی حرکت کے بغیر ایک نفسیاتی طرز فکر ہوگا۔

اس کے باوصف یہ رجوع الی اللہ ہوگا، سو جس طرف بھی تم رخ کرو، اسی طرف ہے رخ اللہ کا جیسا کہ ہمیں پہلے ہی البقرہ میں بتا دیا گیا ہے۔ (۹۲)

معاہدہ حدیبیہ کے بعد مزینہ قبیلے کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بلاشبہ چار سو افراد پر مشتمل یہ ایک بڑا وفد تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ وہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کو تیار ہیں بہ شرطیکہ آپ اسے منظور فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نہیں، تم مہاجر ہو، جہاں پر تم ہو۔ (۹۳)

تاہم اتنی وسیع تحریک کے اجرا کا تقاضا ہے کہ ہم اسلام کے صحیح تشخص کو اجاگر کرنے اور ان ممالک میں جہاں ہم اقلیت میں ہیں سماجی اور مذہبی آزادی کے حصول کے لئے ان تھک کوشش کریں۔ سست روی قرآنی تعلیمات سے سرتابی ہے کے مترادف ہے۔ جو برائی کو نہیں روکتے انہیں قرآن نے ''گناہ گار'' کی اصطلاح سے پکارا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَآئِكَةُ ظَالِمِيْ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ قَالُوْا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَأُولٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ٥ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ٥ فَأُولٰئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ٥ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً وَّمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۹۴)

بیشک وہ لوگ جن کی فرشتے روح قبض کریں گے، اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ تم کیا کرتے رہے؟ وہ کہیں گے ہم اپنی سرزمین میں کمزور و بے بس تھے، فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اُس میں ہجرت کر جاتے۔ سو یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ مگر وہ بے بس مرد، عورتیں اور بچے جو کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں، سو یہ لوگ امید ہے کہ اللہ انہیں معاف کر دے۔ اور اللہ بے حد معاف کرنے والا، بڑا بخشنے والا ہے۔ جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سے ٹھکانے اور فراخی پائے گا۔

اور جو اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف نکلا پھر اس کو موت نے آلیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہو گیا۔ اور اللہ بے حد معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔(۹۵)

علاوہ ازیں پندرہویں صدی عالمگیریت اور فلاح انسانیت کے نظریات کی صدی ہے۔ کیونکہ دنیا تیزی سے لحہ بہ لحہ مختصر سے مختصر تر ہوتی جارہی ہے۔ ایک ہلچل اور سرگرمی جو ایک ملک میں ابھرتی ہے وہ پوری دنیا کو متاثر کرتی ہے۔ اقوام متحدہ نے دنیا کے شہریوں کو ایک کنبے کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے اور ایک نئے عالمی نظام کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس صورتحال میں دنیا کو ایک ایسے اعلیٰ تر انسانی خصوصیات کے حامل نظریے کی اشد ضرورت ہے جو پوری انسانیت کو ایک مرکز پر متحد کر سکے۔ اقوام متحدہ نے خود ہی اعلان کر دیا ہے کہ مغربی تہذیب مستقبل کے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کیلئے کلی طور پر نااہل ہے، اس کا سبب واضح ہے، اس کا ماضی نوآبادیاتی ہے اور یہ سفید فام نسلوں کی برتری میں یقین رکھتی ہے۔ اس طرح کی تہذیب تیسری دنیا کا اعتماد نہیں حاصل کر سکتی، جو مستقبل قریب میں اہم کردار ادا کرنے جارہی ہے۔ مطلق العنان اشتراکیت جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، ایک طرز زندگی کے طور پر پوری طرح ناکام ہو چکی ہے۔

یہ اسلام اور صرف اسلام ہی ہے جو موجودہ دور کی ضروریات کو خوش اسلوبی سے پورا کرنے اور دشوار آزمائشوں اور مسائل سے جو عالمگیریت کے نظریے نے پیدا کر دیئے ہیں کامیابی کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

کردار کی بہت سی جبلتیں اور خصوصیات عمومی طور پر انسانوں میں زمان و مکان کے تفاوت کے علی الرغم مشترک ہوتی ہیں۔ تاہم ہر معاشرہ اور ہر دور اپنی الگ الگ خصوصیات کا بھی حامل ہوتا ہے۔ جہاں تک کہ لوگوں کی نسل، زبان، رنگ، نظریئے، خاندانی پسِ منظر، تہذیب، معاشرت، رسوم، جائز و ناجائز کی تمیز اور رواج کا تعلق ہے، ہمیشہ ایک دوسرے سے مختلف رہے ہیں۔ یہ اختلافات سودمند ہیں اور انسانی زندگی کو اپنے مخصوص اندازِ اظہار سے مالا مال کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ فطری سرحدوں سے تجاوز کریں گے تو نتیجہ افراتفری اور انتشار ہی پر منتج ہوگا۔

اسلام کا مقصد نفسیاتی ہم آہنگی پیدا کرنا ہے، وہ ایسے اختلافات کو مناسب وزن دیتا اور ان کو دبانے یا اان کا استیصال کرنے کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ انہیں مختلف رنگوں اور بہت سے خوشبودار پھولوں کے گلدستے میں، انسانوں کے اتحاد کے اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے، خالق کی مرضی کے مطابق

تبدیل کرنا چاہتا ہے۔

اسلام بنی نوع انسان کے مکمل و مطلق اتحاد کی نمائندگی کرتا ہے کیونکہ ان سب کا رب ایک ہے اور ان سب نے ایک واحد جان سے وجود حاصل کیا ہے۔ سب سے بڑھ کر روحانی مفہوم میں وہ ایک مشترکہ تقدیر میں ساجھے دار ہیں۔ اسی سبب سے اسلام زمان ومکان کی وحدت کے تصور کی وکالت کرتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کہتے ہیں:

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ جدید وقدیم

انسانوں کے اتحاد کو شاخوں میں تقسیم کرنا تمام برائیوں کی جڑ ہے جو اس معاملے میں یورپی استعمار کی فاش غلطی کے سبب ظاہر ہوئی ہے۔ یہ امر سائنسی میدان میں پچھڑی ہوئی مشرقی قوموں کے لئے آنکھیں کھولنے والا ثابت ہونا چاہئے، جس طرح کہ برٹرنڈ رسل نے ''مشرق کی از سر نو بیداری'' میں اجاگر کیا ہے۔ انسانی یک جہتی کا اعلیٰ مقصد حاصل کرنے کے لئے ہمیں تمام نسلی، لسانی اور جغرافیائی حد بندیوں کو مسترد کر دینا چاہئے اِسلام اس تصور کا ممتاز علم بردار ہے۔ اقبال انسانی فلاح و بہبود کے اس مثالی نمونے کو ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں۔

> انسان کی فلاح و بہبود کا اعلیٰ مقصد شاعری اور فلسفے میں ہمیشہ آفاقی رہا ہے، لیکن اگر آپ اسے ایک مؤثر اعلیٰ اقدار کا نمونہ بنانا چاہتے ہیں تو حقیقی زندگی میں اسے بروئے کار لانے کے لئے آپ کو شاعروں اور فلسفیوں سے نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے سے آغاز کرنا چاہئے، جس کا اپنا ایک الگ اسوۂ حیات ہو اور وہ اچھی طرح سے وضاحت شدہ دین کا کلی شعور بھی رکھتا ہو، لیکن ساتھ ہی وہ عملی مثالوں اور تبلیغ کے ذریعے اپنی حدود میں مسلسل اضافہ کرتا رہا ہو۔ ایسا معاشرہ میرے یقین کے مطابق اسلام ہے۔ یہ معاشرہ اب تک نسلی رجحان کا جو غالبًا انسانیت کی فلاح و بہبود کے نصب العین کی راہ میں سب سے کٹھن رکاوٹ ہے، اپنے آپ کو ایک زیادہ کامیاب مخالف ثابت کر چکا ہے۔

رینان غلط تھا جب اس نے کہا کہ سائنس اسلام کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں، یہ نسلی تفاخر کا تصور اور نسلی قومیت کا فلسفہ ہے جو اسلام کا، بلکہ حقیقت میں انسانیت کا کٹر دشمن ہے۔ اور انسانیت سے پیار کرنے والوں کا یہ فرض ہے کہ وہ شیطان کی اس خوف

ناک اختراع کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

قومیت پرستی بھی اس انسان مخالف رجحان ہی کا ایک شاخسانہ ہے۔ اگرچہ میں محسوس کرتا ہوں کہ نسلی امتیاز یا علاقائی قومیت کا تصور اسلامی دنیا میں بھی جڑیں پکڑ رہا ہے اور چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمان اپنی نگاہوں سے انسان دوستی کا اپنا آفاقی نظریہ اوجھل کرتے ہوئے، علاقائی قومیت کے رجحان سے لبھائے جارہے ہیں، اس لئے ایک مسلمان ہونے اور سارے انسانوں سے محبت کرنے والے کے ناتے میں انہیں ان کا بنی نوع انسان کی تدریجی ترقی میں حقیقی فریضہ منصبی یاد دلانا اپنی ذمے داری سمجھتا ہوں۔ (۹۵)

سب سے بڑھ کر ہجرت مسلمانوں کی ثقافتی ضرورت ہے۔ اسلام کی اخلاقی وتہذیبی تربیت کا مظاہرہ، جیسا کہ اسلام میں متصور ہے، صرف ایک نسلی امتیاز سے پاک معاشرے ہی میں ممکن ہے۔ مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ ایسے معاشرے کے قیام کے لئے مقدور بھر کوشش کریں۔ اسی کوشش کو جہاد کہتے ہیں۔ لیکن اگر ایک زمین اسلامی مشن کے لئے ساز گار ہو، تو ہر ایک کو اسے چھوڑ دینا چاہئے اور بہتر جگہ کی جستجو کرنا چاہئے۔ مسلمانوں کے راستے میں کوئی علاقائی وابستگی حائل نہیں ہونی چاہئے۔ یہی ہے وہ سب کچھ جو ہجرت ہمیں سکھاتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ بخاری: کتاب المناقب، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لولا الہجرۃ۔ رقم الحدیث ۳۴۹۵

۲۔ تاریخ بغداد: ج ۱۳، ص ۲۹۲

☆ یاقوت حموی، معجم البلدان: ج ۵، ص ۱۸۳

☆ ابن سعد، الطبقات: ج ۲، ص ۱۳۱

۳۔ التمہید: ج ٦، ص ۳۳

۴۔ ہود: ۳۵، ۳٦

۵۔ الممتحنۃ: ۳

٦۔ مسند احمد: رقم الحدیث ۱۵۲۳۷

۷۔ الاحقاف: ۹

۱۴۔قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ج ۶، ص ۳۲
۱۵۔ایضاً
۱۶۔ابن منظور الافریقی، لسان العرب: ج ۵، ص ۲۵۰۔ بیروت
۱۷۔ ایضاً: ص ۲۵۲
۱۸۔ ایضاً: ج ۸، ص ۳۴۴
۱۹۔المزمل: ۱۰
۲۰۔راغب الاصفہانی، المفردات: بہ ذیل مادہ۔ قاہرہ ۱۹۶۱ء
۲۱۔النساء: ۳۴
۲۲۔الفرقان: ۳۰
۲۳۔ المزمل: ۱۰
۲۴۔ راغب الاصفہانی: بہ ذیل مادہ
۲۵۔الانعام: ۱۶۲
۲۶۔مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الہجر۔ رقم ۴۶۴۵
۲۷۔تاریخ دمشق: ج ۳۳، ص ۱۷۹
۲۸۔ ایضاً: ج ۵۱، ص ۲۴۰
۲۹۔ بخاری: کتاب الادب، رقم ۵۶۱۲۔ وکتاب الاستیذان، رقم ۵۷۶۸
☆مسلم: کتاب البر۔ رقم ۴۶۴۱
۳۰۔المسند: ج ۶، ص ۳۳۸
☆ابوداود: کتاب السنہ، باب ترک السلام۔ رقم ۳۶۸۶
۳۱۔المسند: ج ۱، ص ۶۔ رقم ۵۲
۳۲۔الدارمی: کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن۔ رقم ۳۱۷۵
۳۳۔ بخاری: کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون۔ رقم ۹
☆ابوداود: کتاب الجہاد، باب الہجرۃ۔ رقم ۲۱۲۲
۳۴۔المسند: رقم ۶۶۳۱
۳۵۔ابن ماجہ: کتاب کتاب الفتن، باب حرمۃ دم المومن
۳۶۔مسلم: کتاب الجہاد، باب غزوۃ ذی قرد۔ رقم ۳۳۷۲
☆المسند: رقم ۱۵۹۲۱
۳۷۔نوح: ۲۱، ۲۷

۳۸۔ ہود: ۴۵، ۴۶

۳۹۔ الصافات: ۹۹

۴۰۔ الممتحنہ: ۴، ۶

۴۱۔ ملاحظہ کیجئے التوبہ: ۴۰۔ الشعراء: ۶۰، ۶۲۔

۴۲۔ البقرہ: ۲۰۷

۴۳۔ الزرقانی، شرح مواہب اللدنیہ: ج ۱، ص ۱۷۶

۴۴۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ: ج ۳، ص ۱۷۶

☆ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ج ۱، ص ۱۷۰

۴۵۔ النساء: ۶۰

۴۶۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ: ج ۲، ص ۱۲۷۔ قاہرہ

۴۷۔ ابی الاخوہ، معالم القربۃ فی احکام الیہ، ص ۱۷

۴۸۔ الدیلمی، الفردوس: ج ۵، ص ۳۸۹

۴۹۔ التدوین فی اخبار قزوین: ج ۱، ص ۱۶۴

۵۰۔ شیخ صدوق، الہدایہ: ص ۱۲

۵۱۔ بخاری: کتاب الجہاد، رقم ۲۷۸۲

۵۲۔ تفسیر ابن کثیر: ج ۲، ص ۱۳۸

☆ السیرۃ الحلبیہ: ج ۳، ص ۴۸۳

۵۳۔ المسند: رقم ۱۳۳۰۶

۵۴۔ ابوداود: کتاب الجہاد، باب النہی عن السیاحۃ۔ رقم ۲۱۲۷

۵۵۔ المسند: ج ۴، ص ۱۲۶۔ وج ۵، ص ۳۷۵

۵۶۔ النسائی: رقم ۴۱۰۳

۵۷۔ ابوداود: کتاب السنہ، ج ۲، ۳۱۲

۵۸۔ ابوداود: کتاب الجہاد، باب دوام الجہاد۔ رقم ۲۱۲۵

۵۹۔ ابوداود: کتاب الجہاد، باب الجہاد مع ائمۃ الجور۔ رقم ۲۱۷۰ط

۶۰۔ بخاری: کتاب الجہاد، باب جہاد النساء، رقم ۲۶۴۶

۶۱۔ ابن ماجہ: کتاب المناسک، باب الحج جہاد النساء۔ رقم ۲۸۹۳۔ المسند: رقم ۲۵۳۱۱، ۲۵۳۷۳، ۲۵۴۵۲

۶۲۔ المسند: رقم ۹۰۸۱

☆ النسائی: کتاب المناسک الحج، باب فضل الحج۔ رقم ۲۵۷۹

۶۳۔المسند: رقم ۲۱۹۲۲

۶۴۔المسند: رقم ۱۵۳۹۲

۶۵۔النساء: ۹۷

۶۶۔الترمذی: کتاب المناقب، باب فضل مکہ۔رقم ۳۸۶۰

☆ابن ماجہ: کتاب المناسک، باب فضل مکہ۔رقم ۳۰۹۹

۶۷۔بخاری: کتاب الحج، باب کراہیۃ النبی۔رقم ۱۷۵۶

☆ابن ہشام: ج ۲، ص ۲۲۱

۶۸۔الحجرات: ۱۳

۶۹۔الاصابہ: ج ۵، ص ۵۹۴

۷۰۔مسند احمد: ج ۱، ص ۳۰۱

۷۱۔ابن ہشام: ج ۱، ص ۳۱۳، ۳۱۴

۷۲۔الاصبہانی، دلائل النبوۃ: ج ۱، ص ۱۹۷

☆ابن ہشام ج ۲، ص ۱۰۱

☆ تاریخ طبری: ج ۱، ص ۵۴۵

۷۳۔المستطرف فی کل فن المستظرف: ج ۱، ص ۲۹۰

۷۴۔ابن ہشام: ج ۲، ص ۲۸۸

۷۵۔مسلم: کتاب الجہاد، باب غزوۃ ذی قرد: رقم ۳۳۷۲

☆المسند: رقم ۱۵۹۲۱

۷۶۔المسند: رقم ۲۰۱۴۹

۷۷۔ابن ہشام: ج ۲، ص ۷۹

۷۸۔ابوداؤد: کتاب الطلاق: رقم ۱۸۸۲

۷۹۔التوبہ: ۴۰

۸۰۔مولانا محمد ادریس کاندھلوی، سیرت مصطفیٰ: ج ۱، ص ۲۲۶۔مطبوعہ لاہور

۸۱۔المسند: رقم ۶۷۹۸

۸۲۔المسند: رقم ۶۱۹۹

۸۳۔ایضا: رقم ۶۶۳۱

۸۴۔ایضا: رقم ۶۲۰۲

۸۵۔ایضا: رقم ۱۱۱۹۳

۸۶۔ابن حجر العسقلانی، فتح الباری: ج۱،ص۴۱

۸۷۔الفرقان:۱

۸۸۔بخاری: کتاب المناقب، باب مناقب الانصار،

☆مسلم، کتاب الزکوۃ۔المسند: رقم ۴۲۹، ۴۱۹، ۴۱۴، ۴۱۰

۸۹۔قسطلانی، ارشاد الساری: ج۶،ص۱۴۷

۹۰۔قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ج۵،ص۳۵۰

۹۱۔البقرۃ:۱۹۴

۹۲۔البقرۃ ۱۱۵

۹۳۔طبقات ابن سعد: ج۲ص۶۴ .

۹۴۔النساء: ۹۷، ۱۰۰

۹۵۔ Thoughts and Reflections of Iqbal, edited by S. A. Vahid, Lahore, 98-99

شخصیات

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ

ترتیب

سید عزیز الرحمٰن

اہم عنوانات

اکابرین، اساتذہ، مشائخ، اقربا، علما، زعما، ادبا، احباب، تلامذہ

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز